MAY 2008

ماہنامہ

گوجرانوالہ

فلاحِ آدمیت

Reg: CPL No. 80

مئی

2008

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

صداقت

اللہ

محبت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پروازِ مسلسل

☆ موجودہ دور کے عظیم صوفی اور بانی سلسلہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی تعلیم کا علمبردار۔

☆ رُہبانیت اور شرک سے پاک اور قرآن وسنت کے عین مطابق راہ فقر کی تعلیم کا داعی۔

☆ وحدتِ اُمت، اکرام انسانیت اور فلاح آدمیت کا ترجمان۔

☆ فرقہ واریت، غصہ اور نفرت ختم کر کے عالمگیر محبت اپنانے کا نقیب۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

منشور دعوت

فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ
قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِکُمْ ط

(النساء۔103)

ترجمہ

”جب نماز ادا کر چکو تو اللہ کا ذکر کیا کرو، کھڑے
اور بیٹھے اور پہلو کے بل لیٹے ہوئے“۔

رحمٰن کمپیوٹرز اینڈ پرنٹرز لوہا بازار گوجرانوالہ :0300-7409775

ماہنامہ
آدمیت فلاح
گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح وفلاح کا علمبردار

بیادگار خواجہ عبدالحکیم انصاری رح
بانی سلسلہ

نگران و سرپرست
محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

جلد 11 شمارہ 8 مئی 2008ء ربیع الثانی 1429ھ

ایڈیٹر وحید احمد

سرکولیشن مینجر میاں علی رضا

مجلس ادارت

خالد مسعود، منیر احمد لودھی، ایئر کموڈو (ر) اعجاز الدین، پیر خان
عتیق احمد عباسی، ایم طالب، عبدالقیوم ہاشمی، پروفیسر غلام شبیر شاہد

قیمت ——— -/20 روپے

سالانہ فنڈ ——— -/200 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:
محمد صدیق ڈار توحیدی
مرکز تعمیر ملت نزد وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph:055-3862835
Mob: 0300-6493335

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:
وحید احمد
تھانہ روڈ بلدیہ مارکیٹ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ
Ph:055-3881379
Mob:0300-7409533

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراجدین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-55-4222020
E-mail: info@toheedia.net

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

درس قرآن

(ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰؒ)

دین ایک شعوری عمل ہے

یہاں اہم نکتہ سامنے آتا ہے کہ دین ورثے کی چیز نہیں کہ رسول کے گھر پیدا ہو گئے اور سب اعمال سے مبرّا قرار پائے۔ مسلمان کے گھر پیدا ہو گئے، اس لئے اسلام کو جاننے اور اس کا مطالعہ کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ دین ایک شعوری عمل ہے، اس کو دل اور دماغ کی ہم آہنگی سے قبول کرنا اور دل کی گہرائی سے اس کی شہادت دینا پڑتی ہے۔ زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کے بعد ایمان حاصل ہوتا ہے اور اگر ایک رسول علیہ السلام کو یہ جواب دیا گیا تو اِن لوگوں کی کیا حیثیت رہ گئی جو آج کل یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم سے آپ کو اگر نسبت ہو گئی تو سیدھے آپ کو جنت میں داخل کردیں گے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایک رسول اپنے بیٹے کو نہیں بچاسکا تو ہم آپ کس کھیت کی مولی ہیں؟ وہاں تو انبیاء کو شفاعت کی مجال نہیں ہوگی۔ سب سے پہلی شفاعت یعنی شفاعت کبریٰ حضور اکرم ﷺ کریں گے اور حضورؐ سے پہلے تمام انبیاء اور رسول شفاعت کرنے سے معذرت کردیں گے۔ حضور اکرم بھی ایک طویل سجدہ کریں گے پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ''مانگو کیا مانگتے ہو؟'' تو پھر آپؐ پوری انسانیت کے لئے شفاعت کبریٰ کریں گے کہ اے اللہ! ان کی مشکل حل کیجئے۔ اللہ تعالیٰ عادل ہے اور اس کا نظام عدل پر مبنی ہے اس میں اندھی سفارش نہیں چلتی۔ جو لوگ اندھی سفارش کر تصور رکھتے ہیں، وہ دراصل دین کا راستہ روک رہے ہیں۔ انہیں خدا کا خوف کرنا چاہیے۔

دین و دنیا کی جدائی

حضرت نوح کے بعد دیگر انبیائے کرام کا ذکر کرتے ہوئے قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ عاد کی طرف حضرت ہودؑ اور ثمود کی طرف حضرت صالحؑ کو بھیجا گیا تھا لیکن عاد و ثمود دونوں ہی قوموں نے نافرمانی کی اور عذاب الٰہی کا شکار ہو گئیں۔ یہی حال قوم لوطؑ کا بھی ہوا۔ اس عذاب میں حضرت لوطؑ کی بیوی بھی قہر الٰہی کا شکار ہوگئی کیونکہ وہ نافرمانوں کے ساتھ تھی اور حضرت شعیبؑ کو قوم مدین کی طرف بھیجا گیا۔ اُن کی قوم اُن سے مخاطب ہو کر بولی:

اصلوتک تامرک ان نترک مایعبد اباونا او ان نفعل فی اموالنا مانشٰوا

"کیاتمہاری نماز تمہیں یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان چیزوں کو چھوڑ بیٹھیں جن کی ہمارے باپ دادا پرستش کرتے آئے یا یہ کہ ہم اپنے مال میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف نہ کریں۔" (ہود:87)

قوم شعیب کو اپنے نبی سے یہ گلہ تھا کہ اس کی تعلیم کردہ نماز مسجد تک محدود کیوں نہیں ہے؟ یہ نماز اُن کی پوری زندگی اور اس کے رسم ورواج پر اثر انداز کیوں ہو رہی ہے؟ نماز اور نماز پڑھنے پڑھانے والوں کو کیوں لگام نہیں دی جاتی کہ وہ اپنا دائرہ کار اور حلقہ اثر مسجد تک محدود رکھیں اور اپنی سرگرمیاں ایوان حکومت اور ایوان تجارت تک نہ لے کر آئیں ۔ یہ عجیب نماز ہوئی جو روزی کمانے کے طریقوں کو متاثر کرے! آخر نماز کا اس بات سے کیا واسطہ کہ ہم اپنے مال کس طرح سے خرچ کریں اور اور کس طرح سے خرچ نہ کریں؟ مال ہماری ذاتی ملکیت ہیں، کیا انہیں تصرف میں لانے سے پہلے بھی ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے پوچھنا پڑے گا کہ کس طرح سے تصرف میں لائیں؟

اگر غور کریں تو دراصل یہی وہ وجہ نزاع ہے جو ہمیں حضرت امام حسینؓ اور یزید کے درمیان نظر آتی ہے۔ یزید بھی تو یہی کہتا تھا جو قوم شعیب نے اپنے نبی سے کہا۔

یزید کی حضرت امام حسینؓ سے کوئی ذاتی دشمنی تو نہیں تھی اور نہ ہی حضرت امام حسینؓ خلافت و حکومت کے خواہشمند تھے۔ اصل جھگڑا تو یہی تھا کہ یزید نہ صرف حضرت امام حسینؓ کے حلقہ اثر کو بلکہ پورے دین کو حدود حرم اور مسجدوں کی چار دیواری میں محدود رکھنا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ امام حسینؓ دین کی تبلیغ کریں، جہاد کے لئے لوگوں کو تیار کریں۔ عملی طور پر ان کی تدریس کریں۔ اس کے لئے وہ بڑے بڑے علمی، تبلیغی اور تعلیمی مراکز کھولنے کے لئے تیار تھا، حضرت امام حسینؓ اہل بیت اور اہل اللہ کو بڑے سے بڑے وظائف دینے کو تیار تھا مگر یہ بات اس کے لئے قابل برداشت نہیں تھی کہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو ایوان حکومت اور عملی زندگی کے دیگر شعبوں میں عملاً نافذ کر دیا جائے اور اس طرح سے کسی بھی ظالم اور نفس پرست حاکم پر ایسی پابندیاں لگ جائیں کہ اسے کھل کھیلنے کا کوئی موقع نہ ملے۔ وہ عجمی بادشاہوں کے ٹھاٹھ باٹھ حاصل کرنے کی بجائے خلفائے راشدین کی طرح عام انسانوں سے بھی کم تر درجہ کی مادی زندگی گزارے اور مخدوم کی بجائے خادم بن کر رہ جائے۔ ادھر امام حسینؓ اس بات سے کم پر قطعاً

راضی نہ تھے کہ دین کامل کو زندگی کے تمام شعبوں میں پوری طرح سے نافذ کیا جائے۔سیاست، معیشت، تجارت اور سماجی زندگی کے گوشوں میں کتاب وسنت کی حکمرانی ہو۔

اگر غور کریں تو پتہ چلے گا کہ یہی وہ بنیادی اختلاف ہے جو ہمیشہ اہل حق اور اہل باطل کے درمیان وجہ نزاع وقتال بنا رہا ہے۔ دور حاضر کی ''اسلامی'' حکومتیں بھی یہی کچھ چاہتی ہیں کہ بڑی بڑی مسجدیں ہوں، بڑے بڑے دینی مدرسے اور جامعات ہوں، بڑے بڑے دینی کتب خانے اور تبلیغی مراکز ہوں اور ان میں بڑے جلیل القدر علماء اور محققین ہوں، ان کے خوبصورت جبے، عمامیں اور دستاریں ہوں، اور وفادار ملازموں کی طرح ان مسجدوں اور مدرسوں کی چار دیواریوں میں بیٹھے رہیں، اگر ضرورت پڑے تو حکومت وقت کے حق میں مناسب بیان اور محتاط قسم کے فتوے صادر کر دیا کریں۔ رہ گیا دین کا بطور سیاسی، معاشی اور سماجی نظام کے ابھر کے سامنے آجانا! یہ بنیاد پرستی ہے، یہ ناقابل برداشت ہے، یہ سیاست ہے، یہ تو صرف جاگیرداروں، وڈیروں، کارخانہ داروں اور سرمایہ داروں کا پیدائشی اور جدی پشتی حق ہے۔ اس میں ملا کا کیا دخل؟ اس میں کتاب وسنت کا کیا کام؟ اس میں اللہ اور رسول کا کیا کام؟ یہ تو صرف غنڈوں، بدمعاشوں بے غیرتوں، غداروں، خیانت کاروں اور حرام کاروں کا حق ہے کہ شریف انسانوں پر ہمیشہ ہمیشہ حکومت کرتے رہیں، انہیں لوٹتے رہیں، ان کی عورتوں کی عصمت دری کرتے رہیں، ہر شخص (دینداروں سمیت) کے حلق سے سود اُتارتے رہیں، رشوت دینے پر مجبور کرتے رہیں، انہیں ایسی زندگی گزارنے پر مجبور کریں جسے نہ انسانی کہا جاسکے نہ حیوانی، غیر ملکی آقاؤں کی آشیر باد پر اپنی قوم سے وہ سلوک کریں جو بدیسی حکمران دیسی بھیڑوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں اور پھر یہ کہ اخبارات، الیکٹرانک میڈیا ان کی عبقریت کے گن گائیں اور ٹیلی ویژن پر شرعی سہاگنیں ان کے برحق ہونے کا فتویٰ دیں اور ان کے بلند اقبال کے لئے دعائیں مانگیں۔ یہی وہ بات ہے جسے سیکولرازم یا لادینیت کہتے ہیں۔ لادینیت دین سے انکار کا نام نہیں بلکہ دین کو دنیوی معاملات سے نکال دینے کا نام ہے اور بدنصیبی کی بات یہ ہے کہ بہت سے خودساختہ اور بر خود غلط نیم ملاؤں نے اسے دل وجان سے قبول کرلیا ہے۔ ہمارے ہاں اسلامی بھکشوؤں کا ایک گروہ موجود ہے جو اس لادینیت کو ہی عین دین سمجھتا ہے اور اس نے تبلیغ وجہاد کا راستہ موثر انداز میں روک رکھا ہے۔

چنانچہ قوم مدین کے لوگ بھی عذاب کا شکار ہوگئے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو دنیوی

معاملات پر نافذ کرنے کے قائل نہیں تھے۔

فرائض امامت سے غفلت کا انجام

سورہ ہود میں مختلف نافرمان قوموں کا انجام بتانے کے بعد ایک اور عبرت آموز موضوع آ رہا ہے۔ حکیم الامت علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ نے کیا خوب فرمایا ہے:

ہے عیاں فتنہ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

اللہ نے ایک نظام کے ذریعے اپنا کلام، اپنا دین ہم تک پہنچا دیا ہے۔ اب یہ پیاسوں کا کام تھا کہ اس آب حیات کی طرف لپکتے، آب حیات کو خود بخود بہ کر ان کی طرف نہیں آنا تھا۔ اس سے بڑھ کر بدنصیبی اور کیا ہوگی کہ ہم اسلام قبول کریں اور پھر اس پر احسان بھی جتلائیں۔ ہمیں اسلام کی ضرورت ہے، اسلام کو ہماری ضرورت قطعاً نہیں۔ ہمیں اللہ اور رسول مقبولؐ کی ضرورت ہے۔ اللہ اور اس کے رسول مقبولؐ کو ہماری قطعاً ضرورت نہیں۔ ہم اگر دین قبول کریں گے، اس پہ عمل کریں گے، اللہ سے تعلق رکھیں گے اور اس کے رسولؐ سے نسبت قائم کریں گے تو اس میں ہمارا اپنا بھلا ہے، ورنہ دین تو محفوظ ہے، وہ تو باقی رہے گا اور اللہ تعالیٰ ہماری جگہ کسی اور کو لے آئیں گے۔ آپ نے دیکھا کہ یہ قرآن محمد عربی ﷺ پر نازل ہوا اور عرب قوم کو یہ بہت بڑا افتخار حاصل ہے کہ یہ قرآن، یعنی دین ان پر نازل ہوا۔ انہوں نے اس دین کو دنیا میں پھیلایا، لیکن اس کے بعد آپ نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے عربوں سے امامت چھین لی۔ تاتاری اٹھے اور انہوں نے پوری دنیائے اسلام کو روند کر رکھ دیا اور عربوں کی جو بچی کھچی حکومت اندلس میں تھی، 1492ء میں وہ بھی ختم ہوگئی۔ وہاں سے آخری مسلمان کو بھی یا تو نکال دیا گیا یا زبردستی عیسائی بنا دیا گیا۔ لیکن یہ نقطہ قابل غور ہے کہ ایک طرف اندلس سے قسطنطنیہ مسلمانوں کو نکالا جا رہا تھا اور دوسری طرف قسطنطنیہ کی طرف سے وہی تاتاری اسلام کا جھنڈا لئے ہوئے یورپ میں داخل ہو رہے تھے۔ یہ قبرص، یونان، یوگوسلادیہ، بوسنیا وغیرہ اسی زمانے میں مسلمانوں نے فتح کیے جس زمانے میں مسلمانوں کو اندلس سے مار پیٹ کے نکالا جا رہا تھا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ یہی بات فرماتے ہیں:

ان ربی علی صراط مستقیم٥

فان تولوا فقد ابلغتكم ما ارسلت به الیکم ط ویستخلف ربی قوما غیرکم ج ولا تضرونه شیا ط ان ربی علی کل شی ء حفیظo

"بے شک میرا رب سیدھی راہ پر ہے۔ اگر تم منہ پھیرتے ہو تو پھیر لو، جو پیغام دے کر مجھے تمہارے پاس بھیجا گیا تھا، وہ میں تم کو پہنچا چکا ہوں۔ اب میرا رب تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو اُٹھائے گا اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔ یقیناً میرا رب ہر چیز پر نگران ہے۔" (ہود:56:57)

آپ دیکھئے کہ دین کی ابتداء مکہ مکرمہ سے ہوئی۔ اہل مکہ نے دین قبول نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے اہل مدینہ کو اٹھایا۔ انہوں نے دین کو قبول کیا اور پھر اسے پوری دنیا میں پھیلا دیا۔

دین ذاتی معاملہ نہیں

اس سورہ کے آخر میں حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت کا معاملہ آتا ہے وہ دین کو اپنی قوم کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ یہاں پھر ایک قابل غور نکتہ سامنے آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ دین کوئی نجی یا پرائیویٹ معاملہ نہیں۔ ہرگز ایسا نہیں کہ میں اپنے گھر کی چار دیواری کے اندر بیٹھ کر پوجا پاٹ یا تپسیا کرتا رہوں یا پھر مسجد میں بیٹھ کر رکوع وسجود کرتا رہوں اور میرے سجدہ رکوع کا میری اجتماعی زندگی پر کوئی اثر نہ پڑے۔ آج کل ہمارے ہاں دین کا جو شخصی اور ذاتی تصور در آیا ہے، وہ اسلام میں موجود نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام ایک مستقل نظام حیات ہے۔ زندگی کے تمام سیاسی اور سماجی نظام عطا کرتا ہے۔ جبکہ دیگر ادیان میں کوئی نظام موجود ہی نہیں۔ اس لئے انہوں نے زچ ہو کر دین کو ایک شخصی، نجی اور ذاتی معاملہ قرار دے دیا۔ یہی حال حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ آپ کی نماز نے تو ہمارا جینا حرام کر دیا ہے۔ یہ ہماری تجارت میں خلل ڈال رہی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

والی مدین اخاھم شعیبا ط قال یقوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ ط ولا تنقصوا المکیال والمیزان انی ارئکم بخیر وانی اخاف علیکم عذاب یوم محیطo

ویقوم اوفو المکیال والمیزان بالقسط ولا تبخسوا الناس اشیاء ھم ولا تعثو فی الارض مفسدینo

بقیت اللہ خیرلکم ان کنتم مومنین ج5 وماانا علیکم بحفیظo

قالوا یشعیب اصلوتک تامرک ان نترک مایعبد اباونا اوان نفعل فی اموالنا مانشوا ط انک لانت الحلیم الرشیدo

''مدین والوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا۔اس نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو۔اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو۔آج میں تمہیں اچھے حال میں دیکھ رہا ہوں، مگر مجھے ڈر ہے کہ کل تم پر ایسا دن آئے گا جس کا عذاب سب کو گھیر لے گا۔اور اے برادران قوم! ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ پورا ناپو اور تولو۔اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دیا کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔اللہ کی دی ہوئی بچت تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم مومن ہو اور بہر حال میں تمہارے اوپر نگران کار نہیں ہوں۔میرا کام صرف بتا دینا ہے۔انہوں نے جواب دیا کہ اے شعیبؑ! کیا تیری نماز تجھ کو یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان سارے معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے؟ اور یہ کہ ہم کو اپنے مال میں اپنی منشاء کے مطابق تصرف کرنے کا اختیار نہ ہو؟ بس تو ہی تو ایک عالی ظرف اور راست باز آدمی رہ گیا ہے۔'' (ہود:84-87)

حقیقی نماز

قوم کا احتجاج یہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی نماز نے ان کے اموال کو اپنے تصرف اور لپیٹ میں لے لیا ہے اور یہ واقعہ ہے کہ صحیح نماز وہی ہے جو ہماری تجارت، سیاست، معیشت حتیٰ کہ زندگی کے تمام پہلوؤں کو اپنی لپیٹ میں لے لے اور سب کو اللہ کے رنگ میں رنگ دے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

صبغة الله ج ومن احسن من الله صبغة ز ونحن له عبدونo

''اللہ تعالیٰ کا رنگ اور اللہ کے رنگ سے زیادہ حسین رنگ کس کا ہوسکتا ہے؟ ہم تو اسی کے عبادت گزار ہیں۔'' (البقرہ:183)

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر ہے جو اختلاف وانتشار کا شکار ہو کر ذلیل ہوئی۔اللہ تعالیٰ ان کے انجام بد کی روشنی میں نبی اکرم ﷺ اور آپ کی امت کی فلاح وکامیابی کی راہ بتا رہے ہیں۔ارشاد ربانی ہے۔

فاستقم کماامرت ومن تاب معك ولاتطغواء انه بماتعلمون بصيرo
ولاترکنواالی الذین ظلموافتمسکم النار لا ومالکم من دون الله من اولیاء ثم لاتنصرونo
واقم الصلوة طرفی النهار وزلفا من الیل ط ان الحسنت یذهبن السیات

ذلك ذكرى للذاكرينo واصبرفان الله لايضيع اجرامحسنينo

''پس (اے محمدؐ) تم اور تمہارے وہ ساتھی جو (کفر و بغاوت سے ایمان واطاعت کی طرف) پلٹ آئے ہیں، ٹھیک ٹھیک راہ راست پر ثابت قدم رہو جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے۔ اور بندگی کی حد سے تجاوز نہ کرو۔ جو کچھ تم کر رہے ہو، اس پر تمہارا رب نگاہ رکھتا ہے۔ ان ظالموں کی طرف ذرا نہ جھکنا ورنہ جہنم کی لپیٹ میں آ جاؤ گے اور تمہیں کوئی ایسا حامی وسرپرست نہ ملے گا جو اللہ سے تمہیں بچا سکے اور کہیں سے تم کو مدد نہ پہنچے گی۔ اور دیکھو نماز قائم کرو، دن کے دونوں سروں پر اور کچھ رات گزرنے پر۔ درحقیقت نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ یہ ایک یاددہانی ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ کو یاد رکھنے والے ہیں اور صبر کر، اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتا۔'' (ہود:112-115)

اور اس نصیحت کے بعد دین اسلام کے باغیوں کے انجام کا ذکر کیا گیا اور سورۃ کے اختتام پر ان کے ذکر کی غایت کو یوں بیان فرمایا:

وكلا نقص عليك من انباء الرسل مانثبت به فوادك ج وجاء ك في هذه الحق وموعظة وذكرى للمومنينo

''(اے محمدؐ) اور رسولوں کے وہ سب حالات جو ہم آپ سے بیان کرتے ہیں، ان سے ہم تمہارے دل کو (تسلی کے ساتھ) قائم رکھتے ہیں اور ان (واقعات) میں تمہارے پاس سچائی پہنچ گئی اور یہ ایمان والوں کے لئے نصیحت وعبرت ہے۔'' (ہود:120)

اور پھر دشمنان دین کے ساتھ کیا سلوک ہوگا؟ اس کو یوں بیان فرمایا:

وقل للذين لايومنون اعملوا على مكانتكم ط اناعملونoوانتظرواج انا منتظرونo

''جو لوگ ایمان نہیں لائے، ان سے کہہ دیں کہ تم اپنی جگہ عمل کئے جاؤ، ہم (اپنی جگہ) عمل کئے جاتے ہیں اور (اعمال کے نتیجے کا) تم بھی انتظار کرو، ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔''

(ہود:120-121)

ظاہر ہے، انجام تو یہی ہوگا کہ سارے معاملات اللہ کی طرف لوٹ جائیں گے اور وہ ہر شخص کے ساتھ اس کی حیثیت واعمال کے مطابق معاملہ کرے گا۔

سودا

(مولانا سید مودودیؒ)

برادرانِ اسلام! آپکو معلوم ہے کہ انسان دائرہ اسلام میں ایک کلمہ پڑھ کر داخل ہوتا ہے اور وہ کلمہ بھی کچھ زیادہ لمبا چوڑا نہیں ہے، صرف چند لفظ ہیں۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں''۔

آپ جس وقت یہ کلمہ پڑھتے ہیں اور مسلمان ہونے کا اقرار کرتے ہیں، اسی وقت گویا آپ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اول یہ دنیا نہ تو بے خدا کے بنی ہے، اور نہ ایسا ہی ہے کہ اس کے بہت سے خدا ہوں۔ بلکہ دراصل اس کا خدا ہے اور وہ خدا ایک ہی ہے، اور اس ایک ذات کے سوا کسی کی خدائی نہیں ہے۔ دوسری بات جس کا آپ نے کلمہ پڑھتے ہی اقرار کیا وہ یہ ہے کہ وہی ایک خدا آپ کا اور سارے جہاں کا مالک ہے۔ آپ اور آپ کی ہر چیز اور دنیا کی ہر شے اس کی ہے۔ خالق وہ ہے، رازق وہ ہے، موت اور زندگی اس کی طرف سے ہے۔ مصیبت اور راحت بھی اس کی طرف سے ہے، جو کچھ کسی کو ملتا ہے اس کے دینے والا حقیقت میں وہ ہے اور جو کچھ کسی سے چھینا جاتا ہے اس کا چھیننے والا بھی حقیقت میں وہی ہے۔ ڈرنا چاہیے تو اس سے، مانگنا چاہیے تو اس سے، سر جھکانا چاہیے تو اس کے سامنے، عبادت اور بندگی کی جائے تو اس کی۔ اس کے سوا آپ کسی کے بندے اور غلام نہیں اور اس کے سوا آپ کا کوئی آقا اور حاکم نہیں۔ قانون صرف خدا کا قانون ہے۔

آپ نے اطاعت صرف خدا کی کرنی ہے، اور آپ کے نزدیک حق وہ ہے جو خدا کی کتاب اور اس کے رسول کے ذریعے معلوم ہو لہٰذا کلمہ پڑھنے کے معنی یہ ہوئے کہ آپ مسلمان ہوتے ہی خدا کے حق میں اپنی آزادی سے دستبردار ہو گئے۔ اب آپ کو یہ کہنے کا حق ہی نہیں رہا کہ میری رائے یہ ہے، یا دنیا کا دستور یہ ہے، یا خاندان کا رواج یہ ہے، یا فلاں حضرت یا فلاں بزرگ یہ فرماتے ہیں۔ خدا کے کلام اور اس کے رسولؐ کی سنت کے مقابلہ میں اب ان میں سے کوئی چیز آپ نہیں کر سکتے۔ اب آپ کا اصلی فرض یہ ہے کہ اسی کا حکم مانیں اور اسی کے قانون کی پیروی کریں۔

یہ عہد و پیمان جو کلمہ پڑھ کر آپ اپنے خدا سے کرتے ہیں اس کی رو سے تمہاری جان تمہای

اپنی نہیں، خدا کی ملکیت ہے۔ تمہارے ہاتھ اپنے نہیں، تمہاری آنکھیں اور تمہارے کان اور تمہارے جسم کا کوئی عضو تمہارا اپنا نہیں۔ یہ زمینیں جن کو تم جوتتے ہو۔ یہ جانور جن سے تم خدمت لیتے ہو، یہ مال واسباب جن سے تم فائدہ اُٹھاتے ہو، ان میں سے کوئی بھی چیز تمہاری نہیں۔ ہر چیز خدا کی ملکیت ہے اور خدا کی طرف سے عطیہ کے طور پر تمہیں ملی ہے۔ اس بات کا اقرار کرنے کے بعد تمہیں یہ کہنے کا کیا حق ہے کہ یہ جان میری ہے، یہ جسم میرا ہے، یہ مال میرا ہے اور فلاں چیز میری ہے۔ دوسرے کو مالک کہنا اور پھر اسکی چیز کو اپنا قرار دینا، بالکل لغو بات ہے۔ اگر واقعی سچے دل سے مانتے ہو کہ ان سب چیزوں کا مالک خدا ہی ہے تو اس سے دو باتیں خود بخود تم پر لازم ہو جاتی ہیں۔

پہلی بات یہ کہ جب مالک خدا ہے اور اس نے اپنی ملکیت امانت کے طور پر تمہارے حوالے کی ہے تو جس طرح مالک کہتا ہے اسی طرح تمہیں ان چیزوں سے کام لینا چاہیے۔ اس کی مرضی کے خلاف ان سے کام لیتے ہو تو دھوکا بازی کرتے ہو۔ تم اپنے ان ہاتھ اور پاؤں کو بھی اس کی پسند کے خلاف ہلانے کا حق نہیں رکھتے۔ تم ان آنکھوں سے بھی اس کی مرضی کے خلاف دیکھنے کا کام نہیں لے سکتے۔ تم کو اس پیٹ میں بھی کوئی ایسی چیز ڈالنے کا حق نہیں ہے جو اس کی مرضی کے خلاف ہو۔ تمہیں ان زمینوں اور ان جائیدادوں پر بھی مالک کی منشا کے خلاف کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ تمہاری بیویاں جن کو تم اپنی کہتے ہو، اور تمہاری اولاد جن کو تم اپنی کہتے ہو، یہ بھی صرف اس لئے تمہاری ہیں کہ تمہارے مالک کی دی ہوئی ہیں۔ لہٰذا تم کو ان سے اپنی خواہش کے مطابق نہیں، بلکہ مالک کے حکم کے مطابق ہی برتاؤ کرنا چاہیے۔ اگر اس کے خلاف کرو گے تو تمہاری حیثیت غاصب کی ہوگی۔ جس طرح دوسرے کی زمین پر قبضہ کرنے والے کو تم کہتے ہو کہ وہ بے ایمان ہے، اسی طرح اگر خدا کی دی ہوئی چیزوں کو تم اپنا سمجھ کر اپنی مرضی کے مطابق ان کا استعمال کرو گے، یا خدا کے سوا کسی اور کی مرضی کے مطابق ان سے کام لو گے، تو وہی بے ایمانی کا الزام تم پر بھی آئے گا۔ اگر مالک کی مرضی کے مطابق کام کرنے میں کوئی نقصان ہوتا ہے تو ہوا کرے۔ جان جاتی ہے تو جائے۔ ہاتھ پاؤں ٹوٹتے ہیں تو ٹوٹیں۔ اولاد کا نقصان ہوتا ہے تو ہو۔ مال و جائیداد برباد ہو تو ہوا کرے۔ تمہیں کیوں غم ہو؟ جس کی چیز ہے وہی اگر نقصان پسند کرتا ہو تو اس کو حق ہے۔ ہاں اگر مالک کی مرضی کے خلاف تم کام کرو اور اس میں کسی چیز کا نقصان ہو تو بلاشبہ تم مجرم

ہو گے، کیونکہ دوسرے کے مال کو تم نے خراب کیا۔ تم خود اپنی جان کے مختار نہیں ہو۔ مالک کی مرضی کے مطابق جان دو گے تو مالک کا حق ادا کر دو گے۔ اس کے خلاف کام کرنے میں جان دو گے تو یہ بے ایمانی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مالک نے جو چیز تمہیں دی ہے اس کو اگر تم مالک ہی کے کام میں صرف کرتے ہو تو کسی پر احسان نہیں کرتے۔ نہ مالک پر احسان ہے نہ کسی اور پر۔ تم نے اگر اس کی راہ میں کچھ دیا، یا کچھ خدمت کی، یا جان دے دی جو تمہارے نزدیک بہت بڑی چیز ہے، تب بھی کوئی احسان کسی پر نہیں کیا۔ زیادہ سے زیادہ جو کام تم نے کیا وہ بس اتنا ہی تو ہے کہ مالک کا حق جو تم پر تھا وہ تم نے ادا کر دیا۔ یہ کونسی ایسی بات ہے جس پر کوئی پھولے اور فخر کرے اور یہ چاہے کہ اس کی تعریفیں کی جائیں اور یہ سمجھے کہ اس نے کوئی بہت بڑا کام کیا ہے۔ جس پر اس کی بڑائی تسلیم کی جائے؟ یاد رکھئے کہ سچا مسلمان مالک کی راہ میں کچھ صرف کرنے یا کچھ خدمت کرنے کے بعد پھولتا نہیں ہے، بلکہ خاکساری اختیار کرتا ہے۔ فخر کرنا کارِ خیر کو برباد کر دیتا ہے۔ تعریف کی خواہش جس نے کی اس کی خاطر کوئی خیر کا کام کیا، وہ خدا کے ہاں کسی اجر کا مستحق نہ رہا، کیونکہ اس نے تو اپنے کام کا معاوضہ دنیا ہی میں مانگ لیا اور یہیں اس کو مل بھی گیا۔

"لا الہ الا اللہ" کہنے کے بعد تم "محمد رسول اللہ" کہتے ہو۔ کلمے کے اس دوسرے جز کے معنی یہ ہیں کہ تم نے تسلم کر لیا کہ محمدؐ ہی وہ پیغمبر ہیں جن کے ذریعہ سے خدا نے اپنا قانون تمہارے پاس بھیجا ہے۔ خدا کو اپنا آقا اور شہنشاہ مان لینے کے بعد یہ معلوم ہونا ضروری تھا کہ اس شہنشاہ کے احکام کیا ہیں۔ ہم کون سے کام کریں جن سے وہ خوش ہوتا ہے اور کون سے کام نہ کریں جن سے وہ ناراض ہوتا ہے۔ کس قانون پر چلنے سے وہ ہم کو بخشے گا اور اس کی خلاف ورزی کرنے پر وہ ہم کو سزا دے گا۔ یہ سب باتیں بتانے کیلئے خدا نے محمد ﷺ کو اپنا پیغامبر مقرر کیا۔ آپ ﷺ کے ذریعے سے اپنی کتاب ہمارے پاس بھیجی اور آپ نے خدا کے حکم کے مطابق زندگی بسر کر کے ہم کو بتا دیا کہ مسلمانوں کو اس طرح زندگی بسر کرنی ہے۔ پس جب آپ نے "محمد رسول اللہ" کہا تو گویا اقرار کر لیا کہ جو قانون اور جو طریقہ حضور ﷺ نے بتایا ہے تم اسی کی پیروی کرو گے، اور جو قانون اس کے خلاف ہے اس پر لعنت بھیجو گے۔ یہ اقرار کرنے کے بعد اگر تم نے حضور ﷺ کے لائے ہوئے قانون کو چھوڑ دیا اور دنیا کے قانون کو مانتے رہے، تو تم سے بڑھ کر جھوٹا اور بے

ایمان کوئی نہ ہوگا۔ کیونکہ تم یہی اقرار کر کے تو اسلام میں داخل ہوئے تھے کہ محمد ﷺ ہی کا لایا ہوا قانون حق ہے۔ اسی اقرار کی بدولت تم مسلمانوں کے بھائی بنے۔ اسی کی بدولت تم نے باپ سے ورثہ پایا۔ اسی کی بدولت ایک مسلمان عورت سے تمہارا نکاح ہوا۔ اسی کی بدولت تمہاری اولاد تمہاری جائز اولاد بنی۔ اسی کی بدولت تمہیں یہ حق ملا کہ تمام مسلمان تمہارے مددگار بنیں۔ تمہیں زکوۃ دیں۔ تمہاری جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کا ذمہ لیں۔ ان سب کے باوجود اگر تم نے اپنا اقرار توڑ دیا۔ تو اس سے بڑھ کر دنیا میں کونسی بے ایمانی ہوسکتی ہے؟ اگر کلمہ پڑھنے والا اس کے معنی جانتا ہو اور جان بوجھ کر اس کا اقرار کرتا ہو تو اس کو ہر حال میں خدا کے قانون کی پیروی کرنی ہوگی خواہ اس کی پیروی پر مجبور کرنے والی کوئی پولیس اور عدالت اس دنیا میں نظر نہ آتی ہو۔ یہ وہ عہد و پیمان ہے جو ہر کلمہ گو اپنے خدا سے کرتا ہے اور یہی ایمان ہے۔ اس وضاحت کے سمجھ لینے کے بعد آگے بڑھئے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

"حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کے نفس اور ان کے مال جنت کے بدلے میں خرید لئے ہیں"۔ (سورۃ توبہ ۱۱۱)

سورہ توبہ کی اس آیت مبارکہ میں ایمان کے اس معاملے کو جو خدا اور بندے کے درمیان طے ہوتا ہے کہ سودے یعنی خرید و فروخت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایمان محض ایک خالی خولی عقیدہ نہیں ہے بلکہ اپنی اصل حقیقت میں وہ ایک معاہدہ ہے۔ جس کی رو سے بندہ اپنی جان اور اپنا مال خدا کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے اور اس کے معاوضہ میں خدا کی طرف سے اس وعدے کو قبول کر لیتا ہے کہ مرنے بعد دوسری زندگی میں وہ اسے جنت عطا کرے گا۔ اس مضمون کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے سب سے پہلے اس خرید و فروخت یعنی سودے کی حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے۔

جیسے کہ پہلے بیان ہوا کہ جہاں تک اصل حقیقت کا تعلق ہے۔ اس کے لحاظ سے تو انسان کی جان و مال کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ کیونکہ وہی اس کا اور ان ساری چیزوں کا خالق ہے جو اس کے پاس ہیں اور اسی نے وہ سب کچھ اسے بخشا ہے جن کو وہ استعمال کر رہا ہے۔ لہٰذا اس حیثیت سے تو خرید و فروخت کا کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ نہ انسان کا اپنا کچھ ہے کہ وہ اسے بیچے۔ نہ کوئی چیز خدا کی ملکیت سے خارج ہے کہ وہ اسے خریدے۔ لیکن ایک چیز انسان کے اندر ایسی بھی

ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مکمل طور پر اس کے حوالے کر دیا ہے، اور وہ ہے اس کا اختیار۔ یعنی اس کا اپنے ارادہ اور انتخاب کرنے میں آزاد ہونا۔ (Free will and Freedom of Choice) اس اختیار کی وجہ سے اصل حقیقت تو نہیں بدلتی مگر انسان کو اس بات کی خود مختاری ضرور حاصل ہو جاتی ہے کہ چاہے تو حقیقت تسلیم کرے اور چاہے تو انکار کر دے۔ دوسرے الفاظ میں اس اختیار کے معنی یہ نہیں ہیں کہ انسان حقیقی طور پر اپنی جان کا اور اپنے ذہن اور جسم کی قوتوں کا اور اس اقتدار کا جو اسے دنیا میں حاصل ہے، مالک ہو گیا ہے اور اسے یہ حق مل گیا ہے کہ ان چیزوں کو جس طرح چاہے استعمال کرے بلکہ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ اسے اس بات کی آزادی دے دی گئی ہے کہ خدا کی طرف سے کسی جبر کے بغیر وہ خود ہی اپنی ذات پر اور اپنی جان پر اور اپنی ہر چیز پر خدا کے مالکانہ حقوق تسلیم کرنا چاہے تو کرے ورنہ آپ ہی اپنا مالک بن بیٹھے اور اپنے زعم میں یہ خیال کر لے کہ وہ خدا سے بے نیاز ہو کر اپنے اختیار کی حد تک اپنی مرضی اور منشا کے مطابق استعمال اور تصرف کرنے کا حق رکھتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں پر اس سودے یعنی خرید و فروخت کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ دراصل یہ سودا اس معنی میں نہیں ہے کہ جو چیز انسان کی ہے، خدا اسے خریدنا چاہتا ہے بلکہ اس معاملہ کی صحیح نوعیت یہ ہے کہ جو چیز خدا کی ہے، اور جسے اس نے امانت کے طور پر ہر انسان کے حوالے کیا ہے، اور جس میں امین یا خائن بن جانے کی آزادی اس نے انسان کو دے رکھی ہے، اس کے بارے میں وہ انسان سے مطالبہ کرتا ہے کہ تو رضا اور رغبت کے ساتھ (نہ کہ مجبوری کے ساتھ) میری چیز کو میری ہی مان لے، اور زندگی بھر اس میں خود مختار مالک کی حیثیت سے نہیں بلکہ امین ہونے کی حیثیت سے تصرف قبول کر لے، اور خیانت کی جو آزادی تجھے میں نے دی ہے اس سے خود بخود دستبردار ہو جا۔ اس طرح اگر تو دنیا کی موجودہ عارضی زندگی میں اپنی خود مختاری کو (جو تیری حاصل کردہ نہیں بلکہ میری عطا کردہ ہے) میرے ہاتھ فروخت کر دے گا تو میں تجھے بعد کی ہمیشہ کی زندگی میں اس کی قیمت جنت کی صورت میں ادا کروں گا۔ اب جو انسان کلمہ پڑھ کر خدا کے ساتھ سودے کا یہ معاملہ طے کرے وہ مومن ہے اور ایمان دراصل اسی فروخت کا دوسرا نام ہے، اور جو شخص اس سے انکار کر دے یا اقرار کرنے کے بعد ایسا رویہ اختیار کرے جو فروخت نہ کرنے کی صورت ہی میں اختیار کیا جا سکتا ہے، وہ کافر ہے اور اس سودے سے گریز کا اصطلاحی نام کفر ہے۔

سودے کی اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد اس کی روح پر غور کیجئے کہ اس میں کیا کچھ شامل ہے۔

1۔ اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو بہت بڑی آزمائشوں میں ڈالا ہے۔ پہلی آزمائش اس بات کی کہ آزاد چھوڑ دیئے جانے پر یہ اتنی شرافت دکھاتا ہے یا نہیں کہ مالک ہی سمجھے اور نمک حرامی اور بغاوت پر نہ اُتر آئے۔ دوسری آزمائش اس بات کی کہ یہ اپنے خدا پر اتنا اعتماد کرتا ہے یا نہیں کہ جو قیمت آج نقد نہیں مل رہی ہے بلکہ مرنے کے بعد دوسری زندگی میں ملے گی، جس کے ادا کرنے کا خدا کی طرف سے وعدہ ہے، اس کے عوض اپنی آج کی خود مختاری اور حرے بیچ دینے پر بخوشی راضی ہو جائے۔

2۔ دنیا میں جس دینی قانون کے تحت اسلامی سوسائٹی بنتی ہے اس کی رو سے تو ایمان بس چند عقائد کے اقرار کا نام ہے۔ جسکے بعد کوئی شرع کا قاضی یا مفتی کسی کے غیر مومن یا ملت سے خارج ہونے کا حکم نہیں لگا سکتا جب تک اس بات کا کوئی صاف ثبوت اسے نہ مل جائے کہ وہ اپنے اقرار میں جھوٹا ہے۔ لیکن خدا کے ہاں جو ایمان معتبر ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اپنی سوچ اور عمل دونوں میں اپنی آزادی اور خود مختاری کو خدا کے ہاتھ بیچ دے، اور اس کے حق میں ملکیت کے تمام دعوؤں سے مکمل طور پر دستبردار ہو جائے۔ پس اگر کوئی شخص کلمہ اسلام کا اقرار کرتا ہو اور نماز روزے وغیرہ کے احکام کا بھی پابند ہو لیکن، اپنے جسم و جان کا، اپنے دل و دماغ اور بدن کی قوتوں کا، اپنے مال اور وسائل اور ذرائع کا، اپنے قبضہ اور اختیار کی ساری چیزوں کا مالک، اپنے آپ کو ہی سمجھتا ہو اور ان میں اپنی مرضی اور منشاء کے مطابق تصرف اور استعمال کرنے کی آزادی اپنے لئے محفوظ رکھتا ہو، تو ہو سکتا ہے کہ دنیا میں وہ مومن سمجھا جاتا رہے، مگر خدا کے ہاں یقیناً وہ غیر مومن ہی قرار پائے گا۔ کیونکہ اس نے خدا کے ساتھ سودے کا وہ معاملہ سرے سے کیا ہی نہیں جو قرآن کی رو سے ایمان کی اصل حقیقت ہے کیونکہ جہاں خدا کی مرضی ہو وہاں جان و مال کھپانے سے دریغ کرنا اور جہاں اس کی مرضی نہ ہو وہاں جان و مال کھپانا، یہ دونوں عمل ایسے ہیں، جو اس بات کا قطعی فیصلہ کر دیتے ہیں کہ ایمان کے دعویدار نے یا تو جان و مال کو خدا کے ہاتھ بیچا ہی نہیں ہے یا فروخت کا معاہدہ کر لینے کے بعد بھی وہ بیچی ہوئی چیز کو بدستور اپنی سمجھ رہا ہے۔

3۔ یہ سودا جس کا دوسرا نام ایمان ہے کی یہ حقیقت ایک اسلامی زندگی کے رویے اور

کافرانہ زندگی کے رویے کو شروع سے آخر تک بالکل ایک دوسرے سے جدا کر دیتی ہے۔ ایک مسلمان جو صحیح معنی میں اللہ پر ایمان لایا ہو، وہ اپنی زندگی کے ہر شعبے میں خدا کی مرضی کا تابع بن کر رہتا ہے اور اس کے رویہ میں کسی جگہ بھی خود مختاری کا رنگ نہیں آنے پاتا۔ الا یہ کہ عارضی طور پر کسی وقت اس پر غفلت طاری ہو جائے اور وہ خدا کے ساتھ اپنے سودے کے معاہدے کو بھول کر کوئی خود مختارانہ حرکت کر بیٹھے۔ اسی طرح وہ گروہ یا وہ حکومت جو ایمان والوں کی بنی ہو وہ اجتماعی طور پر کوئی بھی پالیسی، کوئی سیاست، کوئی تہذیب وتمدن کا طرز، کوئی معاشرت یا معیشت کا طریقہ اور کوئی بین الاقوامی رویہ خدا کی مرضی اور اس کے دیئے ہوئے قانون کی پابندی سے آزاد ہو کر اختیار نہیں کر سکتی اور اگر کسی عارضی غفلت کی بناء پر اختیار کر بھی جائے تو جس وقت آگاہی ہوگی، اسی وقت وہ آزادی کا رویہ چھوڑ کر اطاعت کے رویئے کی طرف پلٹ آئے گی۔ خدا سے آزاد ہو کر کام کرنا اور اپنے نفس اور وہ چیزیں جو نفس سے تعلق رکھتی ہیں کے بارے میں خود یہ فیصلہ کرنا کہ ہم کیا کریں اور کیا نہ کریں، بہر حال ایک کافرانہ زندگی کا رویہ ہے، خواہ اس پر چلنے والے لوگ مسلم کے نام سے پکارے جاتے ہوں یا غیر مسلم کے نام سے۔

4۔ اس سودے کے مطابق خدا کی مرضی کی اطاعت آدمی پر لازم آتی ہے وہ آدمی کی اپنی تجویز کی ہوئی مرضی نہیں بلکہ وہ مرضی ہے جو خدا خود بتائے۔ اپنے آپ خود کسی چیز کو خدا کی مرضی ٹھہرا لینا اور اس کی اطاعت کرنا خدا کی مرضی کی اطاعت نہیں بلکہ اپنی مرضی کی اطاعت ہے، اور یہ فروخت کے معاہدہ کے قطعی خلاف ہے۔ خدا کے ساتھ اس فروخت کے معاہدے پر صرف وہی شخص اور وہی گروہ یا وہی حکومت قائم سمجھی جائے گی جو اپنی زندگی کا پورا رویہ خدا کی کتاب اور اس کے پیغمبر کی ہدایت سے اخذ کرے۔

یہ اس فروخت کی روح ہے اور اس کو سمجھ لینے کے بعد یہ بات بھی خود بخود سمجھ میں آجاتی ہے کہ اس فروخت کے معاملہ کی قیمت (یعنی جنت) کو موجودہ دنیا کی زندگی کے خاتمہ پر کیوں رکھا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جنت صرف اس اقرار کا معاوضہ نہیں ہے کہ بیچنے والے نے اپنا نفس اور مال خدا کے ہاتھ بیچ دیا بلکہ وہ اس عمل کا معاوضہ ہے کہ بیچنے والا اپنی دنیا کی زندگی میں اس بیچی ہوئی چیز پر خود مختارانہ تصرف چھوڑ دے اور خدا کا امین بن کر اس کی مرضی کے مطابق تصرف اور استعمال کرے، لہٰذا یہ فروخت مکمل ہی اس وقت ہوگی جب کہ بیچنے والے کی دنیا کی زندگی ختم ہو جائے

اور واقعی طور پر یہ ثابت ہو کہ اس نے اپنی جان و مال کی فروخت کا معاہدہ کرتے کے بعد اسے اپنی دنیا کی زندگی کے آخری لمحہ تک فروخت کی شرائط پوری کی ہیں۔ اس سے پہلے انصاف کی رو سے قیمت (یعنی جنت) پانے کا مستحق نہیں ہوسکتا۔

ان امور کی وضاحت کے بعد یہ بھی مان لینا چاہئے کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایمان، جسے قبول کرنے کا تم نے اقرار کیا ہے، محض یہ مان لینے کا نام نہیں ہے کہ خدا ہے اور وہ ایک ہی خدا ہے، بلکہ دراصل وہ اس امر کا اقرار ہے کہ خدا ہی تمہارے نفس اور تمہارے مال کا مالک ہے۔ پس یہ اقرار کرنے کے بعد اگر تم اپنے نفس اور مال کو خدا کے حکم پر قربان کرنے سے جی چراتے ہو، اور دوسری طرف اپنے نفس کی قوتوں کو اور اپنے ذرائع کو خدا کی منشاء کے خلاف استعمال کرتے ہو، تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تم اپنے اقرار میں جھوٹے ہو۔ سچے اہل ایمان صرف وہ لوگ ہیں جو واقعی اپنا نفس اور مال خدا کے ہاتھ بیچ چکے ہیں اور اسی کو ان چیزوں کا مالک سمجھتے ہیں۔ جہاں اس کا حکم ہوتا ہے۔ وہاں انہیں بے دریغ قربان کرتے ہیں اور جہاں اس کا حکم نہیں ہوتا وہاں نفس کی طاقتوں کا کوئی ادنیٰ سا جز اور مال کا کوئی ذرا سا حصہ بھی خرچ کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔

بھائیو! اپنے مالک کا احسان دیکھو کہ وہ عطا کی ہوئی اپنی ہی چیز تم سے لیتا ہے، اور کہتا ہے کہ یہ چیز میں نے تم سے خریدی اور اس کا معاوضہ میں یہ تمہیں دوں گا۔ اللہ اکبر! اس شان جود و کرم کا بھی کوئی ٹھکانا ہے؟

یہ تو مالک کا برتاؤ تمہارے ساتھ ہے۔ اب ذرا اپنا برتاؤ بھی دیکھئے۔ جو چیز مالک نے تم کو دی اور جس کو مالک نے پھر تم سے معاوضہ دے کر خرید بھی لیا اس کو غیروں کے ہاتھ بیچتے ہو، اور نہایت ذلیل معاوضہ لے کر بیچتے ہو، وہ مالک کی مرضی کے خلاف تم سے کام لیتے ہیں اور تم یہ سمجھ کر ان کی خدمت کرتے ہو گویا رازق وہ ہیں۔ تم اپنے دماغ بیچتے ہو۔ اپنے ہاتھ پاؤں بیچتے ہو۔ اپنے جسم کی طاقتیں بیچتے ہو اور وہ سب کچھ بیچتے ہو جس کو خدا کے باغی خریدنا چاہتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر بداخلاقی اور کیا ہوسکتی ہے۔ بیچی ہوئی چیز کو بیچنا قانونی اور اخلاقی جرم ہے۔ دنیا میں اس پر دغابازی اور فریب دہی کا مقدمہ چلایا جاتا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ خدا کی عدالت میں اس پر مقدمہ نہیں چلایا جائے گا۔ (ماخذ خطبات، تفہیم القرآن)

ڈسپلن یعنی نظم وضبط کیا ہے؟

چوہدری محمد حسین (چیچہ وطنی)

ا۔ کہنے کو اس کا جواب بہت مختصر بھی ہے اور بہت طویل بھی مختصراً ان معنوں میں کہ اگر ڈسپلن کو دو لفظوں میں بیان کرنا ہو تو کہہ دیں کہ ڈسپلن اسلام پر عمل کرنا ہے۔ کہ اسلام انسان کو نظم وضبط کے سوا کچھ نہیں سکھاتا نہ صرف یہ کہ نظم وضبط کے فوائد سے اگاہ کرتا ہے بلکہ اس کے ساتھ ہی ڈسپلن کی عدم موجودگی میں ہونے والے نقصانات کی بھی نشاندھی کرتا ہے۔ اب اگر اسی نظم وضبط کو طویل معنوں میں بیان کرنا ہو تو یوں کیا جا سکتا ہے۔ کہ اسلام کے ہر رکن اور ہر شاخ، کائنات کی ہر چیز اور ہر نظام کو دیکھ لیں اس میں نظم وضبط صاف نظر آئے گا۔

۲۔ اب مسلمان کی زندگی کو ہی لیجئے اس کی ساری زندگی نظم وضبط سے رقم ہے۔ ہر مسلمان پر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں اب ادائیگی نماز میں ڈسپلن یہ ہے کہ ان کو وقت مقررہ پر، مقررہ سمت کی طرف رخ کر کے مکمل طہارت کے اصولوں پر عمل پیرا ہو کر اور بتائی گئی تعداد کے مطابق ادا کیا جائے۔ جب تک مسلمان ان تمام اصول وضوابط پر عمل پیرا ہوتا ہے اس کی ادا کی ہوئی نماز اس کے لیے ثواب اور اللہ کی رضا مندی کا باعث ہوتی ہے مگر جیسے ہی ان اصولوں کو چھوڑا جاتا ہے۔ نماز کا اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے۔

یہی حال روزے کا بھی ہے رمضان المبارک میں تمام مسلمان ایک ہی وقت پر کھانا پینا بند کرتے ہیں اور ایک ساتھ ہی مقررہ وقت پر افطار کرتے ہیں یہاں ڈسپلن ہی ہے جو کہ انسان کو وقت کی پابندی کرنے اور اللہ کے احکامات سے روگردانی کرنے سے روکتا ہے۔

حج ڈسپلن کی ایک اور بڑی مثال ہے جہاں دنیا بھر کے ممالک سے آئے ہوئے مسلمان ایک ہی رنگ اور ایک ہی طرز کے لباس میں ملبوس، ایک ہی جگہ پر، ایک ہی امام کی پیروی کرتے ہوئے مقررہ ترتیب سے ایک ہی عبادت سرانجام دیتے ہیں۔

۳۔ نظام کائنات نظم وضبط کی ایک واضع تصویر لیے ہوئے ہے۔ دن اور رات کا بدلنا، موسموں کا آنا جانا، سورج چاند، زمین اور دیگر سیاروں کا اپنے مقررہ راستوں پر چلنا، پھولوں کے

کھلنے، بارش کے برسنے، درختوں کے پھولنے پھلنے، پھلوں کے پکنے غرض ہر ہر نظام میں ڈسپلن موجود ہے دن سے پہلے رات نہیں آتی۔ سورج کبھی مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع نہیں ہوتا۔ زمین 365 دنوں میں ہی سورج کے گرد اپنا چکر مکمل کرتی ہے پودا لگانے کے لئے پہلے بیج کاڑالا جاتا ہے۔ پھر وہ بڑھ کر ایک پودے اور اس کے بعد تناور درخت کی شکل اختیار کرتا ہے درخت پر پہلے پھول اور اس کے بعد پھل لگتے ہیں۔ جو اپنے وقت مقررہ پر پک کر تیار ہوتے ہیں۔ اب ذرا غور کریں کہ اگر اسی نظام میں نظم وضبط نہ ہوتو نہ تو وقت پر دن آئے اور نہ ہی رات ہو۔ اجرام فلکی اپنے مقررہ مدار پر نہ چلنے کی وجہ سے ایک دوسرے سے ٹکرا کر فنا ہو جائیں، پھول ٹہنی سے جدا کر دیا جائے تو وہ مرجھا جاتا ہے، درخت کو وقت مقررہ پر پانی نہ دیا جائے تو وہ سرسبز وشاداب نہیں رہتا۔ درخت ہمیشہ اپنی جڑوں سے پانی حاصل کرتا ہے کبھی پتوں سے پانی حاصل نہیں کرتا۔ یوں نظم وضبط سے ذرا سی لاپروائی سے کائنات کا نظام درہم برہم ہوسکتا ہے۔

۴۔ ہمیں نظم وضبط کی مثالیں لینے کے لئے زیادہ دور جانے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے اگر ہم اپنا جسم اس کے وقت پر کام کرتے نظام، خون کا گردش کرنا، سانس کا آنا جانا، دل کا دھڑکنا، ہر عضو کا خاص طریقے سے حرکت کرنا نظم وضبط کا حصہ ہے اگر یہ نظام ذرا سا تبدیل ہو۔ مثلاً دل دھڑکنا بھول جائے ہم وقت پر سانس اندر اور باہر نہ کریں۔ خون کی گردش کم یا بہت تیز ہو جائے تو نظام جسم درہم برہم ہو جاتا ہے یہ ڈسپلن ہی ہے جو انسانی جسم کی زندگی کی ضمانت ہے۔ یہ نہ ہو تو انسان زندہ نہ رہ سکے۔

اپنے اردگرد کے ماحول پر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ کائنات کی ہر چیز بشمول انسانی جسم نظم وضبط کے اہم اصول کے تحت ہی کام کر رہی ہے۔ مگر یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ اصول اتنا ہی اہم ہے کہ اس کے بغیر کائنات اور انسانی زندگی کا تصور بھی محال ہے تو انسان خود اس پر عمل پیرا کیوں نہیں ہے۔ آج کا انسان اس سنہری اصول سے نظریں کیوں چرا رہا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی اصول پر عمل پیرا ہونا ہمیشہ مشکل عمل رہا ہے اور آج کا انسان نہایت تن آسان ہو چکا ہے وہ ہر کام میں آسانیاں تلاش کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج وہ ناکامیوں کا منہ تک

رہا ہے۔ دنیا کی اقوام پر غور کیا جائے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آج وہی اقوام کامیاب ہیں جنہوں نے نظم وضبط کو اپنی زندگی کا سنہری اصول بنایا یہ بات نہایت افسوسناک ہے مگر سچ ہے کہ مسلمان قوم ہرگز ان اقوام میں سے نہیں ہے مسلمان تن آسانی کی طرف مائل ہو چکے ہیں وہ مشکلات سے کترانے لگے ہیں اس لیے دن بدن پستی کی طرف جا رہے ہیں مسلمانوں کی اس پستی اور نظم وضبط سے نگاہیں چرانے کو مرحوم اشفاق احمد صاحب نے ایک نہایت پر اثر واقعہ کی صورت میں اپنی کتاب زاویہ میں بیان کیا ہے۔ اشفاق صاحب کہتے ہیں ''میں تین چار برس پہلے کینیڈا گیا وہاں ایک یوری انڈریو نامی ایک ریڈیو اناؤنسر ہے اب وہ مسلمان ہو گیا ہے اس کی آواز بہت خوبصورت ہے میں اس وجہ سے کہ وہ ایک اچھا اناؤنسر ہے اور اب وہ مسلمان ہو گیا ہے اس سے ملنے گیا وہ اپنے مسلمان ہونے کی وجوہات کے بارے میں بتا رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ سورۃ روم پڑھ کر مسلمان ہوا ہے میں نے کہا کہ اب تو ہمارے حالات بہت کمزور ہیں اس نے کہا نہیں اسلام کا نام تو جلی حروف میں سامنے دیوار پر بڑا بڑا کر کے لکھا ہوا ہے۔ میں نے کہا کہ نہیں ہم تو ذلیل وخوار ہو رہے ہیں۔ خاص طور پر جس طرح سے ہم کو گھیرا جا رہا ہے اس نے کہا ٹھیک ہے گھیرا جا رہا ہے لیکن اس صورت حال سے نکلنے کا بھی ایک انداز ہے ہم نکلیں گے۔ میں نے کہا کہ ہم کیسے نکلیں گے؟ اس نے کہا کہ جب کوئی پانچ چھ سات سو امریکی مسلمان ہو جائیں گے اور اسی طرح 6۔7 سو کینیڈین مسلمان ہو جائیں گے اور ساڑھے نو سو سکینڈے نیوین مسلمان ہو جائیں گے پھر ہمارا قافلہ چل پڑے گا۔ کیونکہ We are disciplined۔ اسلام ڈسپلن سکھاتا ہے۔ نعرہ بازی کو نہیں مانتا۔ میں بڑا مایوس شرمندہ اور تھک سا گیا اس کی بات سن کر اور سوچا کہ دیکھو! ہر حال میں ان کی ''چڑھ'' مچ جاتی ہے۔ یہ جو گورے ہیں یہ یہاں بھی کامیاب ہو جائیں گے۔ اسلام جو ہم کو بہت پیارا ہے ہم نعرے مار مار کر، گانے گا گا کر یہاں تک پہنچے ہیں۔ اور یہ ہمیں مل نہیں رہا۔ میں نے اس سے کہا کہ اس میں ہمارا کوئی حصہ نہیں ہوگا؟ تو اس نے کہا کہ نہیں! آپ سے معافی چاہتا ہوں کہ آپ کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ یار ہمارا بھی جی چاہے گا کہ ہمارا بھی اس میں کوئی حصہ ضرور ہو۔ کہنے لگا کہ ایسا کریں کہ جب ہمارا

قافلہ چلے گا تو تم بھی بستر سے اُٹھا کر پیچھے پیچھے چلے آنا اور کہنا Sir we are also Muslims لیکن آپ میں وہ ڈسپلن والی بات نہیں ہے اور دنیا جب بھی آگے بڑھتی ہے تو وہ نظم سے اور ڈسپلن سے ہی آگے بڑھتی ہے۔"

ذرا غور کریں ایک نئے مسلمان ہونے والے شخص کا مسلمانوں کے بارے میں کیا خیال ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ ڈسپلن اور نظم وضبط ایک اہم اصول ہے مگر اس کو مانتے نہیں ہیں۔ ہم قرآن کو پڑھتے تو ہیں مگر سمجھتے نہیں ہیں قرآن میں اسلامی تاریخ کا ذکر بھی کیا گیا ہے جہاں نظم وضبط کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔ اور اس کی عدم موجودگی میں ہونے والے نقصانات کا ذکر بھی ہے۔ اب غزوہ احد کو ہی لیجئے سات سو مسلمانوں نے کفار کے لشکر کو شکست دے دی وہ جنگ جیتنے جا رہے تھے مگر عین اس وقت جب فتح کا علم ان کے ہاتھ آنے لگا تھا انہوں نے امیر لشکر حضورؐ کی حکم عدولی کی یعنی ڈسپلن Violate کیا اور گھاٹی پر سے جگہ چھوڑ دی حالانکہ اس کا حکم نہیں تھا چنانچہ وہی فتح نہ صرف ناکامی میں تبدیل ہوئی بلکہ مسلمانوں کو سخت جانی نقصان بھی اٹھانا پڑا۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ حالات میں بہتری کیسے آسکتی ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں کہ ایک انقلاب آئے عام انقلاب نہیں ڈنڈے والا انقلاب کیونکہ اب ہم صرف ڈنڈے کے مسلمان رہ گئے ہیں۔ اور پھر اس ڈنڈے کی مدد سے سب مسلمانوں کو سدھارنے کی کوشش کی جائے۔ اور دوسری صورت یہ ہیں کہ ہر مسلمان، ہر شخص خواہ وہ عورت ہے نوجوان مرد ہے، بوڑھا ہے یا پھر بچہ اپنے طور پر خود کو سدھارنے کی کوشش کرے۔ اس طرح ایک وقت آئے گا کہ جب دیئے سے دیئے جلتے جلتے روشنی پھیلے گی اور امید ہے کہ کل کی مسلمان قوم آج سے بہت بہتر ہو کہ ترقی کرنے کے لیے ہمیشہ چھوٹے کام سے شروع کرنا ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں مرحوم اشفاق احمد صاحب کچھ اس طرح اظہار خیال کرتے ہیں۔

"دین ہر معاملے میں ڈسپلن سکھاتا ہے ہمارے بابے کہتے ہیں کہ ڈسپلن چھوٹے کاموں سے شروع ہوتا ہے جب آپ معمولی کام کو اہمیت نہیں دیتے اور ایک لمبا سا منصوبہ بنا کر بیٹھ

جاتے ہیں اپنا ذاتی اور انفرادی تو پھر آپ سے اگلا کام چلتا نہیں۔ کافی عرصہ پہلے میں چین گیا یہ اس وقت کی بات ہے۔ جب چین نیا نیا آزاد ہوا تھا۔ ہم سے وہ ایک سال بعد آزاد ہوا تھا ان سے ہماری محبتیں بڑھ رہی تھیں اور ہم ان سے ملنے چلے گئے۔ افریقہ اور پاکستان کے کچھ رائٹر چینی حکام سے ملے۔ ایک دن ہم باہر نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک گاؤں میں بہت دور پہاڑوں کی اوٹ میں کچھ عورتیں بھٹی میں دانے بھون رہی تھیں دھواں نکل رہا تھا۔ میرے ساتھ شوکت صدیقی تھے کہنے لگے یہ عورتیں ہماری طرح سے ہی دانے بھون رہی ہیں جب ہم ان کے پاس پہنچے تو دو عورتیں دھڑا دھڑ پھوس، لکڑی جو کچھ ملتا تھا بھٹی میں جھونک رہی تھیں اور اپنے رومال باندھے کڑاہے میں کوئی لیکوڈ (مائع) سا تیار کر رہی تھیں۔ ہم نے ان سے پوچھا کہ آپ یہ کیا کر رہی ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم سٹیل بنا رہی ہیں۔ میں نے کہا کہ سٹیل کی تو بہت بڑی فیکٹری ہوتی ہے انہوں نے کہا کہ ہم غریب لوگ ہیں اور چین ابھی آزاد ہوا ہے ہمارے پاس کوئی سٹیل مل نہیں ہے۔ ہم نے اپنے طریقے سے سٹیل بنانے کا ایک طریقہ اختیار کیا ہے۔ یہ عورتیں صبح اپنے کام پر لگ جاتیں اور شام تک محنت اور جان ماری کر کے سٹیل کا ایک ''ڈلا'' یعنی پانچ، چھ سات آٹھ سیر سٹیل تیار کر لیتیں۔ ٹرک والا آتا اور ان سے آ کر لے جاتا۔ اب بھی میں کبھی اس بات کو سوچتا ہوں کہ سبحان اللہ ان کی کیا ہمت تھی۔ ان کو کس نے ایسے بنا دیا کہ یہ کام ہم کریں گی تو ملک کی کمی دور ہوگی، چھوٹا کام بہت بڑا کام ہوتا ہے اس کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔ جو کوئی اسے انفرادی یا اجتماعی طور پر چھوڑ دیتا ہے مشکل میں پڑ جاتا ہے۔

لہٰذا ضرورت اس چھوٹے عمل کی ہے۔ جس دن ہم خود کو یہ چھوٹا کام کرنے پر آمادہ کر لیں گے۔ اور ہر شخص انفرادی طور پر خود کو سنوارے گا مسلمانوں کی حالت سدھرے گی اور وہ بھی ایک disciplined قوم بن سکے گی۔

صحبت مردانِ حق اور اقبالؒ

(عبدالرشید ساہی)

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم:۔ قافلہ حق کے پروانو، نبی مکرمؐ کے دیوانو، دور حاضر کے فرزانو اور وقت حاضر کے انتہائی خوش بخت انسانو ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' ہمیں اپنی قسمت پر ناز کرنا چاہیے کیونکہ ہم پر اللہ رب العزت کا خاص کرم ہے، ہم پر نبی رحمتؐ کی خاص نظر شفقت ہے اور پیرومرشد کی سدا بہار دعاؤں کا تسلسل ہے۔ اس مرتبہ مجھے پیرومرشد کی خاص عنایت سے جو مضمون پیش کرنے کا کہا گیا ہے اس کا عنوان ہے ''صحبت مرادانِ حق اور اقبال'' محترم سامعین:۔ یہ جو اللہ کے فقیر ہوتے ہیں آدمی بے نظیر ہوتے ہیں، یہ صاحب نظر ہوتے ہیں، واقف حال ہوتے ہیں اگر بخت یاوری کریں اور نصیب اچھے ہوں تو ان کی صرف ایک نظر سے دل کی دنیا بدل جاتی ہے۔ انسان کی زندگی میں ایسا انقلاب آ جاتا ہے کہ وہ خود حیران ہو جاتا ہے کہ یہ کیسے ہو گیا۔

جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موج نفس انکی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں

زندگی کے مصروف ترین لمحات راہ خدا میں صرف کرنا ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتا اور نہ ہی حصول منزل ومقصود ہر کسی کا مقدر بنتی ہے کسی بھی انسان کی زندگی میں ایک جیسا تسلسل نہیں رہتا اور نہ ہی پھول ہر موسم میں کھلتے ہیں اسی طرح ہی صحبت مردانِ حق ہر کسی کو نہیں ملتی یہ جلوے مخصوص لوگوں پر ظاہر ہوتے ہیں۔ میاں محمد بخش آف کھڑی شریف فرماتے ہیں۔

خاص سجن دے خانے اندر جاندے نیں ناں عامی

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

نگاہِ عشق دلِ زندہ کی تلاش میں ہے
شکارِ مردہ سزا وار شہباز نہیں

صحبت مردِ حق سے جو واردات ظہور پذیر ہوتی ہے یہ پڑھنے سننے والی بات نہیں بلکہ دیکھنے والی چیز ہے اس کے جلوے فرد اور جنوں کی سرحدوں پر ہوتے ہیں جہاں اہل عقل کی حد ہے وہاں سے مردِ حق کی سرحد شروع ہوتی ہے جذب اور سلوک کے درمیان ایک منزل ہے جسے حال کہتے

ہیں مردِ حق اس مقام پر ہوتا ہے جہاں قال کی ضرورت ہی نہیں ہوتی وہ ظاہر سے پہلے باطن کی طرف رجوع کرتا ہے نعمت سے منعم کا عرفان حاصل کرتا ہے وہ اپنے آپ کو ذات یکتا کے رنگ میں ایسے رنگ لیتا ہے کہ سوتے جاگتے اسی کے جلوے دیکھتا ہے ذات کے اسرار و رموز کا راز داں بن جاتا ہے اور اس کی یاد میں فنا ہو کر امر ہو جاتا ہے بقول شاعر:۔

خود کو اتنا محو کر لیتا ہوں تیری یاد میں
تو ہی تو ہوتا ہے کوئی دوسرا ہوتا نہیں

موسم بدلتے ہیں زمین و آسماں کے جلوے بدلتے ہیں آغاز و انجام کے رشتے بدلتے ہیں لیکن مردِ حق نہیں بدلتا وہ غم اور خوشی سے نجات پا چکا ہوتا ہے وہ ماضی، حال اور مستقبل کو ایک ہی زمانہ سمجھتا ہے اس کا وجود انسانوں کیلئے رحمت اور زمانہ کیلئے نعمت ہوتا ہے دانائے راز علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

وہ زمین و آسماں کے رشتوں کا مفسر ہوتا ہے اس فنا کے دیس میں ملک بقا کا سفیر ہوتا ہے وہ ایسا صاحب جنوں ہوتا ہے جو خرد کی گتھیاں سلجھا چکا ہوتا ہے اس کے سینے میں دل ہوتا ہے جو کہ ذات کبریا کا مسکن ہے۔

تیرے سینے میں دم ہے، دل نہیں ہے
تیرا دم گرئی محفل نہیں ہے
گذر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے

مردِ حق کے نزدیک نہ کوئی اپنا ہوتا ہے نہ غیر نہ فراق ہوتا ہے نہ وصال اس کی شدید ترین محبت اللہ رب العزت کے ساتھ ہوتی ہے اور اتباع رسول ﷺ میں زندگی بسر کرتا ہے وہ عالمگیر محبت کا داعی ہوتا ہے نفرت کسی سے نہیں کرتا وہ یاد خدا میں اپنی ہستی کو فنا کر دیتا ہے اس کو نفسانی خواہشوں پر مکمل کنٹرول حاصل ہو جاتا ہے اور پھر اسے بے پردہ یار نظر آتا ہے حکیم الامت علامہ اقبالؒ

فرماتے ہیں۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

پیرومرشد قبلہ ڈار صاحب نے اس کیفیت کو یوں بیان فرمایا ہے۔

تیری نگاہِ ناز میں میرا وجود بے وجود
میری نگاہِ تلاش میں تیرے سوا کوئی نہیں

مردِ حق ایسی جلوہ گاہ میں محو کھڑا ہوتا ہے جہاں آنکھ کی بینائی کا پردہ حائل نہیں ہوتا اس کی پیشانی زمین پر ہوتو اس کی سجدہ گاہ آسمان پر ہوتی ہے اس کا دل اس کی آنکھ میں ہوتا ہے اور آنکھ دل میں ہوتی ہے، علامہ فرماتے ہیں۔

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدہ دل وا کرے کوئی

مردِ حق کوئی انوکھی مخلوق نہیں وہ انسانوں کے درمیان رہتا ہے لیکن اس کا انداز نظر انسانوں سے جدا ہوتا ہے کیونکہ وہ مجسمہ تسلیم و رضا ہوتا ہے اور قانون فطرت کا تابع فرماں ہوتا ہے علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

اس مردِ خدا سے کوئی نسبت نہیں تجھ کو
تو بندہ آفاق ہے وہ صاحب آفاق

مردِ حق موت سے آگے نکل کر حیات جاوداں پالیتا ہے جو ایک ہو گیا یکتا ہو گیا وہ مر نہیں سکتا وحدت کو موت نہیں اور کثرت موت سے بچ نہیں سکتی جو بدلتا نہیں وہ مرتا نہیں اور جو تبدیل ہوتا ہے وہی مرتا ہے۔ ترجمانِ فطرت اور آشنائے حقیقت فرماتے ہیں۔

فیض یہ کسی کی نظر کا ہے، کرامت کسی کی ہے
وہ کہ ہے جس کی نگہ مشعل شعاعِ آفتاب

مردِ حق صاحب عشق ہوتا ہے صاحب وجدان ہوتا ہے صاحب مشاہدہ ہوتا ہے صاحب ایمان ہوتا ہے صاحب نسبت ہوتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ صاحب نصیب ہوتا ہے کہیں

اسے سپرمین کہا گیا ہے کبھی اسے مردمومن بھی کہتے ہیں علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے

مردانِ حق کی نگاہ باطن کو روشن کر دیتی ہے کافر کو ایمان عطا کرتی ہے اور اندھیرے کو روشنی میں بدل دیتی ہے ان کی صحبت انسان کو حقیقی لذتوں سے آشنا کرتی اور اللہ کا قرب عطا کرتی ہے اور اسے بے نیاز غم دوراں کر دیا جاتا ہے۔

عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
حلقہ آفاق میں گرمئی محفل ہے وہ

معزز سامعین:۔آشنائے رازِ فطرت علامہ اقبالؒ نے اُمت مسلمہ کو نیند سے بیدار کرنے اور اللہ کا قرب حاصل کرنے کا بڑا مجرب اور آسان نسخہ بتا دیا ہے لیکن شومئی قسمت کہ ہم اتباع رسول ہاشمی ﷺ میں زندگی بسر کرنے کی بجائے فرنگی تہذیب کو اپنانے اور ہندوانہ رسمیں اختیار کرنے کو وقار کا ذریعہ سمجھنے لگے ہیں یہی وجہ ہے کہ بدبختی نے ہمارا گھر ڈھونڈ لیا ہے آپ غور فرمائیں ساری دنیا میں جہاں بھی کوئی پٹ رہا ہے وہ مسلمان ہی ہے لیکن اس کے باوجود ہم اصلاح کی کاوش نہیں کر رہے۔

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
تیرا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں
ہر مقام سے آگے مقام ہے تیرا
حیات، ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں

اگر اللہ کا فضل کسی کو صاحب حق بنا دے تو ہم کیوں اعتراض کریں فتویٰ دینے والے فارمولا استعمال کرتے ہیں قاعدہ کلیہ استعمال کرتے ہیں قانون استعمال کرتے ہیں صاحب حق فارمولے سے باہر ہوتا ہے فتویٰ تو اقبال کے خلاف بھی تھا لیکن فطرت اس کی آنکھ میں خاک

مدینہ کا سرمہ لگا رہی تھی وہ دانائے راز بنا دیا گیا اسے فقیری عطا ہوئی، قلندری ملی وہ اُپدیشک ہو گیا سختی اس کے خلاف رہے فطرت اس کے ساتھ ہو گئی علامہ اقبال کہنے پر مجبور ہو گئے۔

ملاں کم نظر نے اُمت میں پھوٹ ڈالی
تسبیح مصطفےٰ ہے صدیوں سے دانہ دانہ
اقبال مدرسوں نے دانش تو عام کر دی
کمیاب ہو گیا ہے جذب قلندرانہ

سامعین کرام:۔اللہ کے قرب میں جانے کیلئے کسی اللہ والے کی صحبت اختیار کرنی پڑتی ہے۔

آغوش صدف جس کے نصیبوں میں نہیں ہے
وہ قطرہ نیساں کبھی بنتا نہیں گوہر

علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کو وحدت افکار عطا کی تو قائداعظم نے وحدت کردار، مرد حق عشق کا تعمیر کردہ انسان ہوتا ہے اسی لئے اس کی دعا کو قبولیت کا مقام حاصل ہوتا ہے آیئے مل کر عہد کریں کہ فرمانِ خدا اور اتباع مصطفےٰؐ کو اپنائیں گے اور اپنا آئیڈیل کسی فلمی اداکار یا کسی سیاسی رہنما کو نہیں بلکہ کسی اللہ والے کو بنائیں گے مرکز تعمیر ملت نے مسلمانوں کی فلاح اور انسانی خدمت کا کام اپنا رکھا ہے یہاں سے روح کی تسکین کا جام عطا کیا جاتا ہے۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ادارت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں
کسی ایسے شرر سے پھونک اپنے خرمن دل کو
کہ خورشید قیامت بھی ہو تیرے خوشہ چینوں میں
جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوز پنہاں سے
تیری تاریک راتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا

برکات و فیوض توحیدیہ

(توحیدی سالک

احوال کچھ یوں ہیں کہ اللہ کی رحمت اور آپ کی توجہ کا فیض ٹھاٹھیں مارتا نظر آتا ہے اس سلسلہ میں داخل ہونے والوں کو مبینہ باطنی وظاہری دینی دنیاوی مہربانیاں شامل حال ہیں خوشحالی قدم چومتی ہے راہ سلوک کے چلنے والوں کو معمولی اعمال پر قرب کی کیفیت سے آشکارا کیا جاتا ہے بس اِس کی رحمت بہانہ ڈھونڈتی ہے بلکہ راہ سلوک پر قدم رکھنے ہی سے استقبال ہوتا ہے مگر فی زمانہ ہماری ہمتیں پست پڑگئی ہیں ہم خود قصوروار ہیں۔ جتنا عظیم کام ہے اتنا ہی نفس وشیطان کی طرف سے سستی کی بیڑیاں پڑجاتی ہیں۔ میں ہر پیر بھائی کو دیکھتا ہوں کہ وہ اس سلسلہ کی تعلیمات سے واضح فیض یاب ہے لیکن آگے نہ بڑھنے پر وہ اپنے آپ کو موردِ الزام ٹھہراتا ہے۔

بس مجھے ایک ہی خفت ہے کہ اپنے اوقات کی محافظت کرتے ہوئے بھرپور انداز میں تقرب **اللہ** کی منازل طے کروں۔ اب تو درپیش تکلیف میں مزا آتا ہے دل میں اطمینان محسوس کرتا ہوں بیرونی خوف اور مستقبل کا حزن تقریباً ختم ہوچکا ہے جیسے ہی نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہوں رِقت طاری ہوجاتا ہے اور لطائف جوش میں آجاتے ہیں جسم کے رواں رواں میں جنبش گرمی اور ذکر کرتے ہوئے محسوس کرتا ہوں۔

معمولات کچھ یوں ہیں کہ صبح 1/2 4 اُٹھتا ہوں۔ (1) ہزار مرتبہ درود پاک کی تسبیح۔ (8) رکعت نماز تہجد پھر مقبول مناجات ہفتہ وار پر مشتمل ہے وہ پڑھتا ہوں۔

1/2 گھنٹہ ذکر جہر نفی اثبات کرتا ہوں۔ نماز فجر مسجد میں باجماعت ادا کرتا ہوں پھر پارک میں دو گھنٹے رہتا ہوں جہاں مسجد ہے وہاں اشراق، تلاوت قران پاک اِستغفار، درود پاک اور تیسرے کلمہ کی تسبیحات کرتا ہوں شجرہ شریف وغیرہ زبانی دن میں دوبار پڑھتا ہوں۔ واک وغیرہ کے بعد دفتر چلا جاتا ہوں۔ پھر ساری قرب کی گرمی محو ہوجاتی ہے پھر چار بجے عصر سے عشاء تک وہی کیفیات قرب رہتی ہیں مغرب سے عشاء قرآن اکیڈمی میں تفسیر کی کلاس میں رہتا ہوں:۔

الحمد اللہ باقاعدگی سے مذکورہ پروگرام پر پابند ہوں اور باقاعدگی سے ہفتہ حلقہ میں حاضر ہوں۔ آئندہ خط انشاء اللہ ہر مہینے لکھتا رہوں گا۔

"تذکرۃُ الاولیاء"

(حضرت امام جعفر صادقؒ)

(ایم طاطب)

آپ اولادِ علیؓ، وارث نبیؐ عارف و عاشق ہیں اس لئے طریقت کے بیان میں آپ کے ارشاداتِ عالیہ کثرت سے ملتے ہیں۔ آپ تمام علوم وفنون کے عالم تھے۔ آپ تمام مشائخ کے سردار ہیں۔ سب عابدوں سے بڑھ کر اور زاہدوں کے سرتاج ہیں۔

نقل ہے کہ ایک رات خلیفہ منصور نے اپنے وزیر سے کہا جاؤ اور حضرت جعفر صادقؒ کو پکڑ کر لاؤ تا کہ ان کو قتل کر دوں۔ وزیر نے کہا کہ وہ صادق جو گوشہ نشین ہے، عبادت میں مصروف ہے اور بادشاہ سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھتا۔ بادشاہ ناراض ہوا۔ اور کہا ہاں اُسی کو لے آ۔ تا کہ قتل کر دوں۔ اگر چہ وزیر نے ہر چند منع کیا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا اور مجبور ہو کر وزیر حضرت امام جعفر صادقؒ کو بلانے کیلئے چلا گیا۔ بادشاہ نے اپنے غلاموں سے کہا کہ جب امام جعفر صادقؒ تشریف لائیں اور میں اپنے سر سے ٹوپی اُتار دوں تو تم اُسی وقت اُن کو قتل کر دینا۔ چنانچہ جب آپ تشریف لائے تو خلیفہ تعظیم کیلئے اُٹھ گیا اور بڑی عزت کے ساتھ استقبال کیلئے دوڑا اور کرسی پر آپ کو بٹھایا اور غلاموں کی طرح دست بستہ بیٹھ گیا۔ غلاموں نے بڑا تعجب کیا۔ خلیفہ منصور نے آپ سے پوچھا "میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتائیں" آپ نے فرمایا "آئندہ دوبارہ مجھے مت بلائیں تا کہ میں عبادتِ الٰہی میں مصروف رہوں"۔ چنانچہ خلیفہ نے بصد احترام آپ کو رُخصت کیا اور اُسی وقت بادشاہ پر لرزہ طاری ہو گیا اور بے ہوش ہو گیا اور تین دن تک متواتر بے ہوش رہا۔

نقل ہے ایک دفعہ حضرت داؤد طائی رحمتہ اللہ علیہ آپ کی خدمت میں تشریف لائے اور کہا کہ اے رسول اللہ ﷺ کے بیٹے! مجھ کو کچھ نصیحت کیجئے کیونکہ میرا دل سیاہ ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا "تو زاہد زمانہ ہے، تجھ کو میری نصیحت کی کیا ضرورت ہے؟"

انہوں نے عرض کیا "اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم سب پر بزرگی بخشی ہے اور نصیحت کرنا آپ پر فرض کیا ہے"۔ آپ نے فرمایا "میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے جد بزرگوار مجھ سے یہ سوال نہ کریں کہ کیوں تم نے میرا حق ادا نہ کیا۔ نجات نسبت پر مبنی نہیں ہے بلکہ نیک اعمال پر منحصر ہے"۔ حضرت داؤد طائی رحمتہ اللہ علیہ اِس بات کو سن کر بہت روئے اور کہا۔ کہ الٰہی جس شخص کا گوشت، پوست، لہو اور ہڈیاں نبوت سے ظہور میں آیا ہو، جس کا نانا رسول کریم ﷺ

جس کی ماں فاطمۃ الزہرہ ہو وہ اِس قدر خوف قیامت سے ہراساں ہے تو داؤد کس شمار و قطار میں ہے اور کس بات پر ناز کر سکتا ہے۔

نقل ہے کہ ایک دفعہ آپ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ سے دریافت کیا کہ عقلمند کون ہے؟ انہوں نے عرض کی کہ ''جو شخص نیک اور بد میں تمیز کر سکے''۔

آپ نے فرمایا'' کہ چوپائے بھی تمیز کر سکتے ہیں وہ اپنے دشمن اور خیر خواہ کو پہچانتے ہیں''

تب امام ابوحنیفہؒ نے سوال کیا کہ آپ کے نزدیک عقل مند کون ہے؟

آپ نے فرمایا کہ جو نیکی اور بدی میں تمیز کر سکے اور زیادہ اچھی نیکی اختیار کرے اور بشرطِ ضرورت کم بدی کو اختیار کرے۔

ایک دفعہ لوگوں نے آپ سے سوال کیا کہ درویش صابر افضل تر ہے یا شکر گزار دولت مند؟

آپ نے فرمایا کہ صبر کرنے والا درویش افضل تر ہے کیونکہ اس کا دل خدا کے ساتھ اور شکر گزار دولت مند کا دل اپنی دولت کے ساتھ ہوتا ہے اور فرمایا کہ عبادت بغیر توبہ کے فضول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عبادت پر توبہ کو مقدم کیا ہے۔ التائبون العابدون اور فرمایا خدا کو یاد کرنے کے وقت خدا کے سوا اور سب کچھ بھول جانا اصلی ذکر خدا ہے۔ کیونکہ ہر چیز کا عوض اللہ تعالیٰ کی ذات ہو سکتی ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بغیر واسطے اور وسیلے کے جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کیلئے خاص کر لیتا ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ عطا محض ہے اور پھر فرمایا کہ مومن وہ شخص ہوتا ہے جو نفس کے مقابلے میں کھڑا ہو جائے اور عارف وہ ہے جو اپنے خدا کے پاس کھڑا ہو۔ اور فرمایا جو شخص اپنے نفس کے ساتھ خدا تعالیٰ کے لئے مجاہدہ کرتا ہے وہ خداوند کریم تک پہنچ جاتا ہے۔ فرمایا پانچ آدمیوں کی صحبت سے پرہیز کرنا چاہیے۔

اول جھوٹا:۔ کیونکہ اس کی صحبت سے غرور پیدا ہوگا۔

دوسرے:۔ احمق، کیونکہ جس قدر وہ بھلائی کرے گا اسی قدر نقصان پہنچے گا۔

تیسرے:۔ بخیل، جس کی صحبت سے اچھا وقت ضائع ہوگا۔

چوتھے:۔ بزدل، جو ضرورت کے وقت پیٹھ دکھا جاتا ہے۔

پانچویں:۔ فاسق کی صحبت، کیونکہ وہ ایک لقمہ کے عوض تجھ کو بیچ دے گا۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے بہشت و دوزخ کو دنیا ہی میں بنا دیا ہے۔ بہشت عاقبت ہے اور مصیبت دوزخ ہے۔

اسلامی انقلاب۔۔حیات پرور تعلیمات

(صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی)

اسلامی انقلاب سے پہلے کی تہذیب میں کسی گرے پڑے کو اٹھانا اور کسی پسماندہ کو زمانے کی دوڑ میں شریک کرنا تو کجا الٹا گرتوں کو ٹھوکر مارنے کا رواج تھا، کوئی مظلوم فریاد کر کے خود ہی شرمندہ ہوتا کیوں کہ آگے سے جواب ندارد کی کیفیت تھی، حضورؐ نے مظلوم کی حمائت میں آواز اُٹھائی۔

جو دور اولین طور پر بتمام وکمال اسلامی انقلاب سے آشنا ہوا جس کی قیادت جناب رسالتمآب ﷺ نے فرمائی وہ جزیرۃ العرب کی قبائلی تہذیب کا دور تھا جزیرۃ العرب خود اور اس کا اردگرد جن خرابیوں کا مرکب تھا ان میں روحانیت کا فقدان، جہالت اور توہم پرستی، بداخلاقی عیش کوشی، معاشرتی انحطاط، ظلم، تنگ نظری، طبقاتی امتیاز، سودخوری، نسلی عصبیت، قانون شکنی، مردم آزادی، اور عدم احتساب جیسے عناصر نمایاں تھے، اگر ایسے مہلک امراض اور ایسے متعدی جراثیم کسی سوسائٹی میں موجود ہوں تو کسی فرد یا قوم کا زندہ رہ جانا انہونا واقعہ تو ہوسکتا ہے اس کے پیچھے کوئی فلسفہ اور دلیل کارفرما نہیں ہوسکتی، یعنی وہ زندگی کے استحقاق سے محروم ہوچکی ہوتی ہے، جناب رسالتمآب ﷺ نے اپنے عہد رسالت میں جو انقلابی خطوط متعین کئے یہ انہی کی معجزہ سامانی تھی کہ عرب کی تہذیب نہ صرف دھڑام سے گرنے سے بچ گئی بلکہ اقوام عالم کو تہذیب آشنا کرگئی، آپ نے اصلاح فرد اور معاشرت کے لئے انقلابی تعلیمات کا ایک قیمتی اثاثہ اور وسیع ذخیرہ مہیا فرمایا جو آج بھی اہل اسلام کے پاس موجود اور محفوظ ہے زیر نظر مضمون دراصل ان حیات پرور تعلیمات کی جھلکیاں پیش کرنے کی ایک کوشش ہے تاکہ تاریخ کے جھروکوں سے انقلاب اور نور کی کرنیں ملاحظہ کی جاسکیں مقصد ان تمام تعلیمات کا احاطہ نہیں بلکہ خلاصہ پیش کرنا ہے، جس سے نظر، قلب، یقین اور عشق کو جلا، سکون، نور اور جذبہ نصیب ہو، اور اسلامی انقلاب کے لئے اٹھنے والی تحریکیں ان تعلیمات کو دلیل راہ پائیں کہ واقعی آپ ﷺ کے ہاتھوں ایک جامع اور بے مثال انقلاب برپا ہوا جس نے ماضی کی ساری دھند صاف کردی، حال کو جنت بداماں بنادیا اور مستقبل کے لئے روشن نقوش واضح کردیئے۔

قارئین ارشاد نبویؐ کے پس منظر کو ذہن میں رکھ کر اس کی اہمیت اور افادیت پر توجہ دیں، اس خاص ماحول میں اس شان کی تعلیم یوں برمحل نظر آتی ہے جیسے انگوٹھی میں جڑا ہوا نگینہ، کہ اس سے

بہتر نہ بات کا موقع ہوسکتا ہے نہ اس سے اچھا لب ولہجہ اور نہ اس سے خوبصورت الفاظ وحروف، جو لسان نبوت سے پھول بن کر نکلے اور کائنات اور کارگہ حیات کو معطر بنا گئے، آپ کے ہر ارشاد کا ایک پس منظر ہے اور اس کو سمجھ کر روح پرور نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں۔

اسلامی انقلاب سے پہلے معاشرے میں عقائد واوہام کا گورکھ دھندا تو موجود تھا لیکن ان عقائد کا عمل اور زندگی کے تقاضوں سے کچھ تعلق نہ تھا، آپ نے ایک موقع پر ایمان (عقیدہ) کے زندگی سے منسلک لازمی نتائج کے حوالے سے ایک سائل کے استفسار پر فرمایا ''ایمان'' مزاج کی پختگی، فیاضی اور عالی ظرفی کا نام ہے'' (صحیح المسلم)

اس دور میں فرائض، حقوق اور اموال ومعاملات میں خیانت اور بدعہدی کا چلن عام تھا آپ نے اس حوالے سے فرمایا ''جس کے اندر امانت نہیں اس کے اندر ایمان نہیں اور جس کو عہد کا پاس نہیں اس کے پاس دین نہیں'' (مشکواۃ)

معاشرے میں بداخلاقی از قسم ترش روئی، اکھڑپن، شقاوت، بات بات پر جھگڑا، اور نفسا نفسی جیسی قباحتیں روگ بن چکی تھیں، آپ نے آواز اخلاق بلند کی ''تم میں بہترین وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں'' (بخاری ومسلم)

آپ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجتے وقت وصیت فرمائی ''اے معاذ! لوگوں کے ساتھ بہتر اخلاق سے پیش آنا'' (موطا امام مالکؒ)

اس وقت حقوق العباد کے سلسلے میں جو بے رحمی کا رویہ تھا اس نے انسانوں کی بستی کو درندوں کا بھٹ بنا رکھا تھا ہر سو حق غصب کرنے کی شکایت تھی، حق مارنا غالباً شیوہ مردانگی بن چکا تھا، بیوہ کا حق، مسکین کا حق، غلام کا حق غرض ہر طرح کے حقوق پامال ہو رہے تھے آپ نے حق ہمسائگی کے متعلق فرمایا۔

''خدا کی قسم وہ مومن نہیں، خدا کی قسم وہ مومن نہیں، پوچھا گیا کون ''فرمایا وہ شخص جس کے پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہوں'' (مشکواۃ)

یتیم سے حسن سلوک کے بارے میں فرمایا ''مسلمانوں کے گھروں میں بہتر گھر وہ ہے، جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہے اور مسلمانوں کا بدتر گھر وہ ہے جہاں یتیم کے ساتھ برا برتاؤ کیا جائے'' (ابن ماجہ)

مسکینوں کی خبر گیری پر زور دیتے ہوئے فرمایا ''مسکین وہ نہیں جو لوگوں کے دروازے پر چکر لگاتا ہے اور ایک دو لقمے اور کھجور لے کر لوٹتا ہے بلکہ مسکین وہ ہے جو اتنا مال نہیں رکھتا کہ اپنی

ضرورت پوری کرے اور (سفید پوشی کے باعث) لوگ اس کی غربت کو سمجھ نہیں پاتے کہ اسے صدقہ دے دیں، اور نہ ہی وہ لوگوں کے سامنے کھڑا ہو کر ہاتھ پھیلاتا ہے" (بخاری)

بیوہ کے حق کا تحفظ کرتے ہوئے فرمایا "جو شخص بیوہ اور مسکین کے حق کی ادائیگی اور خدمت کے لئے دوڑ دھوپ کرتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو راہ خدا میں جہاد کر رہا ہو، راتوں کو قیام کرتا ہو اور تھکتا نہ ہو اور جو مسلسل روزے رکھنے والا ہو" (بخاری)

ملازموں کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا "اپنے غلاموں اور نوکروں پر اپنے اختیار کو غلط استعمال کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا"

مزدور کی حق رسی کے متعلق فرمایا "مزدور کو اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی مزدوری ادا کرو" (مشکواۃ)

اس زمانے میں حکومت کو ذاتی میراث سمجھا جاتا تھا جس کے نتیجے میں فیصلے عدل کے بجائے ظلم پر مبنی ہوتے تھے اور اختیارات کا استعمال اکثر ناجائز و ناروا، آپ نے فرمایا۔

"اللہ کے نزدیک قیامت کے دن مرتبے کے لحاظ سے خدا کے بندوں میں سب سے بہتر عادل اور نرم خو حاکم ہے اور بدترین انسان درشت خو اور ظالم حکمران ہے" (مشکواۃ المصابیح)

انقلاب محمدیؐ سے پہلے دوغلی پالیسی اور دورخا پن عام تھا اس مرض نفاق کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔

"جس میں چار خصلتیں ہوں وہ منافق ہے جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے، بولے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو پورا نہ اترے، جھگڑے تو گالیاں دے" (بخاری)

اس سوسائٹی میں معاشی نظام یا تو ڈاکے اور راہزنی پر مبنی تھا یا پھر استحصال پر جس کی مکروہ شکلوں میں سود خوری، رشوت اور ذخیرہ اندوزی شامل تھی، آپ نے اس مکروہ نظام کے خاتمے کے لئے فرمایا۔ "سود کھانے، سود کھلانے، سود کی گواہی دینے اور سودی دستاویز لکھنے والے پر لعنت ہے" (بخاری و مسلم)

نیز ارشاد ہوا "اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو حاکم کو رشوت اور ذخیرہ اندوزی شامل تھی، آپ نے اس مکروہ نظام کے خاتمے کے لئے فرمایا۔

"سود کھانے، سود کھلانے سود کی گواہی دینے اور سودی دستاویز لکھنے والے پر لعنت ہے" (بخاری و مسلم)

نیز ارشاد ہوا "اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو حاکم کو رشوت دینے والے پر اور اس حاکم پر جو رشوت

لے‘‘(المنتقی)

پھر فرمایا’’کتنا برا ہے اشیائے ضرورت کی ذخیرہ اندوزی کرنے والا اگر اللہ تعالیٰ چیزوں کے نرخ سستے کرتا ہے تو یہ اداس اور اگر قیمتیں چڑھ جائیں تو خوش ہوتا ہے‘‘(مشکواۃ)

اسلامی انقلاب سے پہلے کی تہذیب میں کسی گرے پڑے کو اٹھانا اور کسی پسماندہ کو زمانے کی دوڑ میں شریک کرنا تو کجا الٹا گرتوں کو ٹھوکر مارنے کا رواج تھا، کوئی مظلوم فریاد کر کے خود ہی شرمندہ ہوتا کیوں کہ آگے سے جواب ندارد کی کیفیت تھی، حضور ﷺ نے مظلوم کی حمائت میں آواز اٹھائی اور ارشاد فرمایا۔

’’مظلوم کی پکار سے ڈرو کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنا حق مانگتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی صاحب حق کو اس کے حق سے محروم نہیں کرتا‘‘(مشکواۃ)

رسم دنیا یہ ہے کہ زبردست کی خوشامد کرو اور زیردست کو اور رگڑا دو، آپ نے اس روش کی خلاف ارشاد فرمایا’’جو شخص کسی ظالم کا ساتھ دے کر اسے تقویت پہنچائے گا در آں حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ ظالم ہے تو وہ اسلام سے خارج ہو گیا‘‘(مشکواۃ)

لوگوں میں ہوس زر، نمود و نمائش، تکلفات، ٹھاٹھ باٹھ اور آرائش وزیبائش کا مذاق عام تھا آپ نے ان رجحانات کے مقابلہ میں’’فقر غیور‘‘ کی تعریف کر کے زمانے کے مذاق عام کو بدل دیا آپ کا ارشاد گرامی ہے۔

’’میں نے جنت میں جھانک کر دیکھا تو بہت بڑی تعداد غریبوں کی نظر آئی‘‘(بخاری و مسلم)

خود غرضی انسانی سرشت کا گویا جزو اعظم ہے وہ دور بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھا اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے ہر کوئی ہلکان مگر کسی ضرورت مند کی حاجت برآری وبال جان نظر آتی، امام انقلاب اسلامی نے دوسروں کے کام آنے کی اہمیت ان الفاظ میں واضح فرمائی’’جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت برآری فرماتا ہے‘‘(بخاری)

اب بھی اور ان دنوں میں بھی معزز، چودھری، اور بڑا آدمی اسے سمجھا جاتا ہے جو ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہتا ہے اور مفت کی روٹیاں توڑتا رہتا ہے اس کے مقابلہ میں محنت، مزدوری کو چھوٹے لوگوں کا پیشہ سمجھا جاتا ہے اور کمی کمین کا لقب دیا جاتا ہے آپ نے محنت کو عظمت قرار دیا اور فرمایا’’اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کھانا کسی شخص نے کبھی نہیں کھایا‘‘(بخاری)

پرانی تہذیب ہو خواہ نئی، بڑے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگوں پر اپنا رعب گانٹھنے کے لئے انہیں اپنے جور و ستم کے شکنجے میں کس کر رکھے اور عدل و مروت کے مقابلے میں ظلم اور خشونت

کو اپنا شعار بنا لے آپ نے رحم کے رویے کو انسانی رویہ قرار دیا، ارشاد ہوتا ہے" وہ اللہ تعالیٰ کے رحم کا مستحق نہیں جو لوگوں پر رحم نہیں کھاتا" (بخاری مسلم)

عالم انسانی میں سب کے سب نہیں تو کم از کم دو تہائی جرائم اور گناہ صرف ہوس زر، دنیا کی اندھی محبت اور حصول دولت کی تڑپ کا نتیجہ ہیں یہ کہنا آسان ہے کہ دنیا بیچاری کیا کہتی ہے؟ دولت آجانے یا بڑھ جانے سے کیا فرق پڑتا ہے! اسلام نے دولت اور دنیا سے فرار کا سبق نہیں دیا بلاشبہ یہ کتابی صغرے کبرے اپنی جگہ پر درست ہیں مگر آنکھیں کھول کر اور احساس بیدار کر کے مفسدات دنیا اور مکروہات زر وسیم کا جائزہ لیا جائے تو اس حتمی نتیجے پر پہنچنا کچھ مشکل نہیں کہ رشوت، سفارش، اسراف، ہوس، فحشاء، چور بازاری، بخل، سنگدلی، اتلاف حق، فریب کاری اور جبر وقتل جیسے جرائم حب دنیا کے شجرہ خبیثہ کے زہرناک ثمرات ہیں، مال واسباب مسئلہ نہیں ان کی بے تحاشہ پرستش اور ان سے اندھی محبت درد سر ہے یہ دل میں جگہ نہ پکڑے تو انسانی سوسائٹی صالح اور تعمیری بن سکتی ہے، برائی اور فساد کے اس سرچشمے کو بند کرنا ہی دراصل جرم وگناہ کی بیخ کنی کرنا ہے امام انقلاب علیہ ﷺ نے اصل الاصول کو واضح کرتے ہوئے فرمایا" دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے"

ہر ماحول میں دو طرح کے لوگ موجود ہوتے ہیں سر بگریباں صوفی اور گیان دھیان میں مصروف زاہد اور چلہ کش، اور دوسرے وہ جو اپنی ذات، اپنے فائدے اور اپنی غرض کے گنبد میں نظر بند، حضور ﷺ نے ان دونوں رویوں کی اصلاح فرمائی اور خدمت انسانیت کو جوہر آدمیت قرار دیا ارشاد ہوا۔

"بہترین انسان وہ ہے جو دوسروں کی لئے فائدہ پہنچانے والا ہو" (مشکواۃ)

جاہلی تہذیب کی طرح سائنس کے اس دور میں بھی انسانوں میں طبقات کی تقسیم موجود ہے معاشی طبقات پر قبائلی، قومیتی، لسانی اور علاقائی وسیاسی تعصبات مستزاد، نبی اکرم ﷺ نے پوری انسانی برادری کو ایک نئے انقلابی زاویے سے متعارف کرایا اور فرمایا۔

"تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے"

پہلے بھی اور آج بھی کالے اور گورے کی تمیز اور مقامی وغیر مقامی کی تفریق بدستور ہے اس

مرض سے امریکہ اور برطانیہ جیسے ماڈرن ممالک بھی محفوظ نہیں، قبائے انسانیت چاک تھی اور ہے آپ نے اس کی رفو گری کرتے ہوئے فرمایا۔

''کسی گورے کو کالے اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فوقیت اور فضیلت حاصل نہیں سبھی اولاد آدم ہیں'' (خطبہ حجتہ الوداع) ملوکیت زدہ سوسائٹی میں قانون دو طرح کا ہوتا ہے اور ان فاسد جراثیم سے آج کل کی تہذیبیں بھی پاک نہیں، یعنی ایک وہ قانون جو غریب کو پیتا ہے اور دوسرا وہ جو امیر کے ہاتھوں خود پتا ہے گویا بااثر کے لئے الگ قانون اور بے سہارا کے لئے الگ ضابطہ، اس دورنگی نے آبروئے انسانیت کو داغدار بنا رکھا ہے، آپ نے قانون کے بے لاگ نفاذ اور اس کی بے لچک عملداری کے لئے ارشاد فرمایا۔

''اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹ دوں گا'' (مشکواۃ)

یہ ہیں وہ انقلاب آفریں تعلیمات اور آفاق گیر ہدایات جنہوں نے زمانے کے طور اطوار اور ذہنوں کے زاویے بدل کر رکھ دیئے، شاید کوئی یہ کہے کہ یہ تو معمول کے اخلاقی مواعظ اور خوشگوار تعلیمات ہیں ان کا انقلاب سے کیا تعلق؟ واقعہ یہ ہے کہ اول تو چودہ سو سال پہلے کے ماحول کو آج کے حالات اور اس کے تقاضوں پر منطبق کرنا ہی زیادتی ہے دوسرے یہ کہ انقلاب لوگوں کو مشینیں، پرمٹ، روزگار اور فیکٹریاں مہیا نہیں کرتا انسانوں کی نفسیات، اخلاق، معاشرت اور سوچ کے سانچے بدلتا ہے اور انسانیت کے لئے یہی چیزیں کارآمد ہیں۔ آج کا بحران معاشی، سیاسی اور دفاعی نہیں اخلاقی اور فکری بحران ہے منزل ہے تو سمت کا پتہ نہیں سمت سفر معلوم ہے تو منزل متعین نہیں، اسی بے آگہی کے بحران نے سکون عالم کو چاٹ لیا ہے اور **ظهر الفساد فی البر والبحر** کی کیفیت آنکھوں کے سامنے ہے، حرکت سیارگان کا نظریہ دریافت کر لینا، ایٹم کی تھیوری کا انکشاف، خلاؤں کی تسخیر، اور انسان کو کمپیوٹر کے عہد میں داخل کر دینا بلاشبہ بہت بڑے کارنامے ہیں اور ان کے بانی، موجد اور مفکر قابل قدر لوگ ہیں مگر وہ ذات عالم انسانی کی سب سے بڑی خیر خواہ اور تاریخ عالم کی بہت بڑی انقلابی شخصیت ہے جو انسان میں جوہر انسانیت پیدا کر دے اور دنیا کو فردوس بداماں بنا دے اس لحاظ سے انسانی خیر خواہی اور انقلابی قیادت کا جامہ بلاشبہ محسن انسانیت ﷺ کی قامت زیبا پر راست آتا ہے۔

اِنسانی مسئلہ

(علامہ عنایت اللہ خاں المشرقیؒ)

(نوٹ)!اس مضمون کا پہلا حصہ دسمبر 2007ء میں شائع ہو چکا ہے۔

صحیفہ کائنات پریشان ذہنی یا حسن اتفاق کی پیداوار نہیں

۱۲۔مندرجہ بالا دعاوی ہرگز قابل تسلیم نہیں ہو سکتے کیونکہ (۱) کوئی وجہ نہیں کہ صرف انسان کے بارے میں اس کی فطرت کے خلاف نوعی جدوجہد اس منزل پر آ کر ختم ہو جائے حالانکہ ادنیٰ حیوانات کے بارے میں یہ جدوجہد لکھوکھا برس سے چلی آئے ہے، اور ختم نہیں ہوئی (اگرچہ ان میں یہ جدوجہد طرزِ عمل وسعت اور نوعیت کے اعتبار سے مختصر ہی رہی ہے)، (۲) ان دعاوی سے یہ گمان لازم ہو جاتا ہے کہ باقی تمام کائنات بے مقصد ہی ہے۔ انسان سوائے اس کے کہ قدرت نے اسے محض حسن اتفاق سے پیدا کر دیا کسی مزید امکانی طاقتوں کا حامل نہیں، بلکہ یہ گمان بھی ہوتا ہے کہ کائنات میں وہ عظیم ترین شعور بھی موجود نہیں جس نے اپنی کمال تجویز و تدبیر سے باشعور انسان کو لا کھڑا کیا، (۳) یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ انسان کی اپنی ہی نوع کے خلاف کشمکش غیر فطری ہے، (۴) ان دعاوی کی بنا پر انسانی عقل باغی ہے، (۵) صحیفہ فطرت بھی محض افراتفری کی پیداوار بن جاتی ہے اور یہ وہ موقف ہے جس سے انسانی عقل باغی ہے، (۶) یہ ناممکن ہے کہ انسان قدرت کے مقابلے میں اپنی ان ہیچ میرز صلاحیتوں کے بل بوتے پر جو اُسے فی الحال میسر ہیں اپنی تقدیر کا مالک آپ بن جائے۔

سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں انسان بلکہ سائنسدان کو اپنے مفاد کی خاطر استعمال کر رہی ہیں۔

۱۳۔عالمی جنگیں آہستہ آہستہ انسان کو واحد عالمی حکومت کے تخیل کی طرف مائل کر رہی ہیں اگرچہ ہو سکتا ہے کہ اس تجویز میں بھی انسان کے خلاف بدنیتی ان سیاستدانوں کے دماغ میں موجود ہو جو اس کے علم بردار ہیں۔ اُدھر ''جمہوریت'' اور ''اشتراکیت'' دونوں انسان کو اپنی طرف کھینچ لینے کی خاطر بڑھ بڑھ کر قدم مار رہی ہیں تاکہ زمینی وسائل معاش کو کلیتہً اپنے تصرف میں

لاکر دنیا کی کمزور بے قیمت اور ''فالتو'' آبادی کو تباہ کر دیں یا اپنا غلام بنالیں۔ ہر دو فریق اپنی سیاسی طاقت سائنسدانوں سے حاصل کرتے ہیں جوان کا تنخواہ دار نوکر ہو کر انسان کو ہلاک کرنے کے آلات تیار کرنے میں لگا ہے اور اپنے دماغ میں قریباً مذہبی یقین لئے بیٹھا ہے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے ٹھیک کر رہا ہے۔ وہ اپنی تجربہ گاہ مین اپنے آقاؤں کی نہایت چالاک اور ہوشیار نشر و تبلیغ کے نامحسوس سحر کے زیر ساستدان کا عاجز اور ادنی غلام بن کر کام کرتا ہے اور سیاستدان ایک نہایت حقیر معاوضہ اس کے گزران کے لئے دے کر اس کی ایجادوں کو ''بطور حق'' اس سے چھین لیتا ہے۔ اس طرح پر سائنسدان نہ صرف آج بلکہ صدیوں سے ایک گونگا اور بہرہ ''بے ملک نواب'' بنا بیٹھا ہے جس کا مرتبہ فی الحقیقت ایک مزدور سے بڑھ کر نہیں۔ اس طرح پر نام نہاد جمہوریت کی دونوں شکلیں انسان کو ایک برادری میں (حتیٰ کہ ادنی حیوانات کی ابتدائی برادری میں بھی) داخل ہونے سے روکتی ہیں اور تسخیر کائنات جیسے رفیع الشان اور جان بخش نصب العین سے ہٹا کر صحیفہ فطرت کے خلاف مجموعی نوئی جنگ کرنے نہیں دیتیں۔

سائنسی ایجادات نہ ہوں تو سرمایہ اور مزدور دونوں محض بیکار ہیں!

۱۴۔ حقائق کا گہرا مطالعہ ہر صاحب نظر پر یہ نایاب اور آنکھوں سے اُوجھل رہی ہوئی سچائی کو عیاں کر دے گا کہ سرمایہ کی اپنی کوئی قدر و قیمت نہیں جب تک کہ سائنسدان کی ایجاد اس سرمایہ کو استعمال میں لانے کے لئے موجود نہ ہو۔ علیٰ ہذا القیاس ایک اور گہری سوچ ہمیں اتنے ہی چونکا دینے والے نتیجہ پر پہنچا دیتی ہے کہ مزدور کے بازو قطعاً بیکار ہیں اگر سائنسدان اس کو اپنی ایجاد کے بنانے کا طریقہ بتانے سے انکار کر دے۔ الغرض دماغ ہی بالآخر وہ شے ہے جو انسان کے بازوؤں اور سرمایہ کو حرکت دیتا ہے۔ سائنسدان نے کئی صدیوں سے اس بات کو محسوس نہیں کیا کہ دنیا جہاں میں سب حرکت اسی کے دم سے ہے۔ صفحہ زمین پر تمام ترقی (ہر امکانی لحاظ سے) اسی کے دماغ کی بدولت ہے۔ قرنوں کی غلامی نے اسے ایک نوکر اور مزدور کی حیثیت دے دی ہے اور کور مغز سیاستدانوں کے بغلول اپنی جہالت اور ظالمانہ فطرت کے باوجود زمین کے مالک بنے بیٹھے ہیں۔ ان جہالت کے مجسموں کو کیا معلوم کہ آج انسانیت کی ترقی کارخانہ فطرت کے اصلی حیاتیاتی مقصد سے کس قدر دور ہٹ کر ہو رہی ہے۔

سائنسدان بدرجہ اولی اس کا مستحق ہے کہ انسانیت کی رہنمائی کرے!

سائنسدان پر لازم ہے کہ اس انتہائی علم وخبر کی بناپر جو اسے صحیفہ فطرت کے متعلق میسر ہے، وہ بنی نوع انسان کی رہنمائی اس مقصد کی طرف کرے جس کی خاطر صحیفہ کائنات کو پیدا کیا گیا اور نسل انسانی کو سرمایہ داروں اور رنگیلے بے فکروں کے رحم وکرم پر نہ چھوڑے یہ تصور کہ انسان کی تقدیر ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہو جو کارخانہ فطرت کی ''مشیت'' اور'' مقصد'' سے قطعاً ناآشنا ہیں، طبیعت میں بغاوت اور نفرت پیدا کرتا ہے اور انسان کی کورمغزی کی روشن مثال ہے۔

سائنس تمام سچائی کا منبع ہے!

۱۵۔صرف سائنسدان ہی باقی تمام انسانوں سے زیادہ شعور کا مالک ہے اور صحیفہ فطرت کے متعلق اس کے ناطق فیصلوی بلکہ بالعموم اس کے مروجہ نظریوں کو بھی انسان نے سچائیاں سمجھ کر بلا حیل وحجت قبول کیا ہے روئے زمین پر تمام قوت، آسودگی اور خوبصورتی اسی سائنسدان نے پیدا کی ہے۔ اگر سائنسدان نہ ہوتا تو دنیا اندھیر ہوتی۔ اس کا (آنکھ، کان اور ذہن کا) علم ہی دنیا میں واحد حقیقت ہے۔ وہی ایک وجود ہے جو فطرت کے غلاف سے پردوں کے پردے ہٹا کر عیاں کررہا ہے کہ قدرت کے معمہ عظیم کے نیچے کیا عالم آراخوبصورتی اور سچائی ہے۔ اس بناپر وہی اس کا واحد حقدار ہے کہ انسانیت کی رہنمائی کرے، نہیں بلکہ زمین پر اپنی حکومت، اپنے پیدا کئے ہوئے نظم ونسق اور کمال حکمت عملی سے بنی نوع انسان کو اس کی آخری تقدیر تک پہنچادے۔ کورمغز اور وحشی سیاستدان جس نے روز اول سے انسانیت کو مذہب، نسل، رنگ وغیرہ کی بناپر ٹکڑے ٹکڑے کرکے قیامت بپا کررکھی ہے، سائنسدان ہی آخری شخص ہے جس کو انسانی ارتقا کا مقدس اور متبرک فرض سونپا جاسکتا ہے۔

صرف سائنسدان، ہی انسان کے تمام اختلافات کو مٹا سکتا ہے

۱۶۔سائنسدان بنی نوع انسان کو صرف صحیفہ فطرت کے نقطہ نظر سے دیکھتا ہے، مذہب یا نسل، ذات یا رنگ، جغرافیائی حدود یا تاریخی روایات کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ وہ انسانوں کے کسی 'فرقہ' یا 'مذہب' سے وسطہ نہیں رکھتا اور نہ وہ عقیدوں، سیاسی حیلوں یا تعصبوں کی رو میں بہ جاتا ہے۔ اس پر وحی کا نزول براہ راست صحیفہ فطرت سے ہوتا ہے جو بہرنوع واحد حقیقت ہے اور

بہرصورت برحق ہے۔اس کی ایجادات تمام تر انسانیت کے فائدے کے لئے ہوتی ہیں۔اوران کاعوام کی ملکیت بن جانا اسے ناگوار نہیں گزرتا۔وہی واضح دلائل اس امر کے پیش کرسکتا ہے کہ انسان کی مجموعی سرگرمیاں کن خطوط پر ہونی چاہئیں،بحیثیت مجموعی اس کا قدرتی طرز عمل برخلاف ان تمام طریقہ ہائے عمل کے کیا ہو جن پر دنیا کے ''سیاستدان'' اپنے جذبوں کی بے ہوشی اور فطرت کے آخری مقصد کے نافہمی کے باعث دنیا کو لگاتے رہتے ہیں۔ادنیٰ حیوانات نے بالاتر مخلوقات کی طرف اپنا ارتقا فطری تقاضا اور اکساہٹ،انتخاب طبعی اور قدرت کے معمولات کی مکمل پیروی کے باعث کیا ہے لیکن انسان صاحب اختیار وشعور ہونے کی بدقسمتی کے باعث ان محرکات کی پیروی نہیں کرتا۔وہ صحیح یا غلط اپنی راہ آپ بنانا چاہتا ہے جواب تک افسوسناک طور پر غلط ہی رہی ہے۔اس بناء پر لازمی امر ہے کہ سائنسدان جو فطرت کا صحیح علم رکھنے کے بارے میں منفرد حیثیت رکھتا ہے انسان کیلئے اس کی صحیح راہ فطرت کی ضروریات کے مطابق متعین کرے۔

سائنسدان کی حکومت بنی نوع انسان کو ایک متحرک برادری بنادے گی

سائنسدان اگر نسل انسانی کی سیاسی رہنمائی کے لئے تیار ہوگیا تو یقینی طور پر نسل،مذہب، ذات پات،رنگ وغیرہ کے تمام اختلافات کو مٹادے گا،تمام دنیا میں دولت کی مساوی تقسیم ضرور کردے گا اور جہاں تک ممکن ہوسکا امیر غریب کی حیثیت کو برابر کرکے انسانی ذہن کو قوموں کی ایک برادری اور ایک اخوت کے ڈھانچے میں ڈھال کر رہے گا۔وہ سرمایہ اور مزدور کے پیدا کئے ہوئے تمام جھگڑوں کو یقیناً سیدھے طور پر دیکھے گا اور پھر ان جھگڑوں کو مناسب وزن اور اہمیت عالمی مسئلوں کی روشنی میں دے۔اس کے نزدیک امیر اور غریب کے تمام ناموزوں اختلافات اور انسان کا ظلم ختم ہونا چاہیے۔سرمایہ اور مزدور دونوں چونکہ سائنسدان کی ذہانت،اس کی صحیفہ فطرت میں اہمیت اور اس کی بالاتر سوچ بچار کے مقابلے میں اس کے تحت ہونے کی حیثیت رکھتے ہیں،اس لئے سائنسدان ہی کا مقام ہے کہ وہ باقی تمام انسانوں سے بلندتر ہوکر اس زمین پر بطور ان کے آقا اور قاضی اور رہنما بن کر رہے تمام سائنسدان چونکہ دنیا بھر میں ایک ہی سچائی کے حامل ہیں اس لئے لازماً لامحالہ ان کو سیاست کی اُس واحد سچائی کا اعلان بھی کرنا ہوگا جس کی بنیاد محض فطرت کی ناگزیر ضروریات پر ہو یا دوسرے لفظوں میں حکومت کی وہ ٹھوس تنظیم قائم کی جائے جو

تمام نسل انسانی کو فطری خطوط پر اس واحد مقصد کے لئے چلائے جس کا نتیجہ بن نوع انسان کو تخلیق کی بالاتر واردتوں میں منتقل کرنا ہو۔

سرمایہ کی اس طاقت کو جو برے نتائج پیدا کرتی ہے ختم کرنے کا طریقہ

۱۷۔ سرمایہ کے تمام شر انگیز اثرات قلم کی ایک ادنیٰ جنبش سے ختم کیئے جا سکتے ہیں وہ یہ کہ مساوی تعداد کے قرعہ اندازوں کے امیروں اور غریبوں کے کامل طور پر ایک دوسرے سے علیٰحدہ انتخابی حلقے ہر ملک میں قائم کردئے جائیں اور غریب اکثریت کو امیر اقلیت سے قطعی طور پر علیٰحدہ کر دیا جائے۔ اس ترکیب سے مغربی طرز کی جمہوریت اپنی آجکل کی شیطانی سطح سے گر کر اصلی علمی منطقی اور انسانی سطح پر آجائے گی۔ یعنی ان لوگوں کی فی الواقع حکومت قائم ہوگی جو تعداد میں سب سے زیادہ ہیں۔ سرمایہ پھر دنیا میں اپنی مناسب جگہ پر آئے گا۔ یعنی پچانوے ۹۵ فیصدی سوچنے والوں، جاننے والوں، ایجاد کرنے والوں یا پسینہ خون اور آنسو بہانے والوں کے بالمقابل پانچ ۵ فیصدی سست الوجودوں کا گروہ ہوگا۔ سرمایہ کے برے اثرات سے اس طرح پر رہائی پانے کے بعد اکثریت کی یہ برادری قدرتی طور پر سائنسدان کے گرد جمع ہو جائیگی جو تمام خوشحالی، امن اور طاقت کا منبع اس دنیا میں ہے اور فطری طور پر غریب طبقے سے تعلق رکھتا ہے۔ معمولی سا ہیر پھیر اسے ہر جگہ انسانی معاملات کا سربراہ بنادے گا۔ روئے زمین پر واحد عالمی حکومت پھر ممکنات میں آجائے گی جو تمام بنی نوع انسان کی رہنمائی ایک مقصد کی طرف کر دے گی اور وہ مقصد بذات خود فطرت کا مقصد ہوگا۔

سائنسدانوں کی حکومت کے ماتحت عالمی نظام حکومت

۱۸۔ یہ انقلاب پیشتر اس کے کہ رونما ہو سرمایہ دار اور سیاستدانوں کے ہاتھوں دنیا میں ایک خوفناک ہیجان پیدا کردے گا مگر ایک کڑی ذمہ داری ہے جس کا سائنسدان کو ہر قیمت پر مقابلہ کرنا ہوگا۔ سائنسدان کا یہ جذباتی عذر کہ وہ ''سیاستدان'' نہیں کچھ وزن نہیں رکھتا کیونکہ عنان حکومت اُس کے ہاتھ میں آنے پر دنیا کی سیاست میں بنیادی تبدیلیوں کا واقع ہونا لازمی ہے جو ایک ایسے نظام حکومت کو قائم کریں گی جو قطعی طور پر علمی، حرکت انگیز اور تعمیری ہوگا۔ اس نظام کے اہم خدو خال حسب ذیل ہوں گے۔ (۲) انسان کو اس کے خود ساختہ تعصبات مثلاً رنگ نسل وغیرہ سے

نجات دلانا، (۳) وسائل زمین سے مکمل استفادہ کی خاطر انسانی نگاہ کو فطرت کے متعلق وسیع کرنا اور اس مقصد کے حصول کے لئے انسانی ہاتھوں اور دماغوں کی یکجا کرنا (۴) زمین کی آبادی کے بے پناہ طور پر گنجان کرنے کے وسائل پیدا کرنا تا کہ کشمکش حیات اپنی انتہا تک پہنچ سکے۔ (۵) مسئلہ زندگی کے حل کو براہ راست ہاتھ میں لینا تا کہ انسان زندگی کو پیدا کرنے کے قابل خود اس لئے ہو جائے کہ فطرت کی چیستاں کے اندر تک پہنچ سکے۔ نیز اس لئے کہ اپنے شعور کی سطح کو بلند و بالا کر کے ارفع تر مخلوق کی طرف ارتقا کر سکے (۶) اپنے انتہائی محدود اور ناقص علم کا جو اسے اس وقت میسر ہے، جائزہ لے کر، آنکھ اور کان سے پیدا ہوئے ہوئے علم کو جدید تر وسائل دریافت اور فطری اشیا کی نئی پیمائشی اکائیوں کی ایجاد سے وسیع کرنا تا کہ وہ موجودہ ناقص علم کی پیدا کی ہوئی گھومنے والی مشینوں ٹیلیفون دوربین، ریڈیو، حسابی مساواتوں اور فارمولوں یا ہائیڈروجن بم وغیرہ وغیرہ سے بہتر ایجادیں کر سکے، اور جس ناقص علم نے اب تک اس کو وہ مطلق باخبری اور علی الاطلاق حاضر یاشی کی خاصیتیں نہیں دیں جو اس کے تمام کائنات کے گوشے گوشے پر حاوی ہونے کے لئے لازمی ہیں (۷) ان ذرائع کا اختیار کرنا جو انسان کی کشمکش حیات کو اس عظیم الشان مجادلے اور محاربہ عظمیٰ کے مماثل کر دے جس کی شدت سے تمام نوع انسانی کے جسمانی اعضا سر بسر ان جوارح میں مبدل ہو جائیں جو زمین سے پرے کے آسمانی کروں پر انسانی قبضہ قائم کرنے کے موافق ہوں، یا دوسرے لفظوں میں انسانی جسم آسمانی کروں پر آباد ہونے کے قابل ہو جائے۔ جب تک انسان کی تمام نوع کو اس کل زمینی مجادلے کیلئے تیار ہونے پر مجبور نہ کیا جائے تب تک کسی ایسے تقاضائے عام کا اس انتہائی بڑے پیمانے پر نمایاں ہونا ناممکن ہے جو انسانی دماغ اور اس کے جسمانی اعضا کو ارفع و اعلیٰ شکلوں میں تبدیل کر دے۔

انسان کے موجودہ علم میں بنیادی نقائص

۱۹۔ عالمی حکمرانوں کی اس کہکشانی مجلس کو اس زمین پر ہونے والے فوق البشروں کی ایک منظم آبادی تیار کرنے کے بعد جو فطرت کے خلاف ایک نہایت سر توڑ اور خوفناک جنگ کر رہی ہوگی اور نہایت دہشتناک مادی اور ذہنی ہتھیاروں سے مسلح ہوگی، سب سے پہلے انسان کے علم کے متعلق حسب ذیل بنیادی مسئلوں کی طرف متوجہ ہونا چاہیے:۔

انسان کی بنائی ہوئی جیومیٹری فطرت کی جیومیٹری نہیں!

(ا) سب سے پہلے یہ بات ایک بدیہی سچائی کے طور پر ماننی پڑے گی کہ انسان کا علم خواہ وہ کسی صورت میں ہو، اگر چہ اس کے براہ راست مشاہدہ فطرت کا نتیجہ ہے لیکن اس کی گنتیاں اور پیمائش، اس کے فارمولے اور مساواتیں، اس کی بنائی ہوئی ریاضی اور جیومیٹری، بلکہ دراصل جس طریقے سے بھی وہ بیجان مادے کو استعمال کرتا یا اس کو استعمال میں لانے کی غرض سے اس میں رد وبدل کرتا ہے، وہ سب اس کی اپنی اختراعوں اور گنجائشوں کی پیداوار ہیں فطرت کو اس کی ذہانت کی ان پیداواروں سے کوئی واسطہ نہیں، نہ فطرت ان سے کچھ سیکھ سکتی ہے، نیز یہ بھی نہیں کہ فطرت کا علم وخبر ان وسیلوں سے تیار کیا گیا ہے۔ برخلاف اس کے یہ واضح ہے کہ فطرت کو اپنا نقشہ مکمل کرنے کے لئے اس کے پاس اپنی ''جیومیٹری'' اور ''ریاضی'' اپنے ''فارمولے'' اور ''مساواتیں'' لازمی طور پر ہونی چاہئیں۔ اس بنا پر لازم ہے کہ فطرت کی پیمائش کی اکائیاں اور گنتی کے طریقے انسان کی ان خودساختہ اختراعوں سے بنیادی طور پر مختلف ہوں اور اس کے علاوہ وہ اکائیاں اور طریقے جامع تر صحیح تر اور مادے کی فطرت پر زیادہ منطبق ہونے والے چاہئیں۔ اگر انسان نے فطرت کی اشیا سے کچھ چیز بنائی ہے تو لازمی ہے کہ فطرت نے اس کا پہلے ہی تخمینہ لگا لیا ہو، نہ یہ کہ ایک محض حسن اتفاق تھا۔

انسان کا زندگی کے بارے میں علم انتہائی طور پر ناقص ہے!

ادھر انسان زندگی کے بارے میں علم حاصل کرنے میں اب تک کوئی قابل ذکر طور پر کامیاب نہیں ہوا، نہ اب تک وہ زندگی کے متعلق اپنے مشاہدوں کو ''فارمولوں'' اور ''مساواتوں'' میں منتقل کر سکا ہے۔ برخلاف اس کے زندگی کے متعلق معلوم ہے کہ وہ محض حرکت سے شدہ شدہ بڑھتے ہوئے ہوش، بڑھتے ہوئے ارادے اور بڑھتے ہوئے شعور کی طرف ترقی کرتی گئی ہے اور انسان اس ترقی کی وجہ بھی اب تک دریافت نہیں کر سکا، نہ اس کی پیمائش کر سکا ہے جیسا کہ وہ بے جان اشیا کے احوال یا دوسری خاصیتوں کے متعلق وجوہات دریافت کرتا ہے یا ان کی لمبائی، وزن، کثافت، حرارت، رفتار وغیرہ کی پیمائش کرتا ہے۔ وہ اس پر بھی علیٰ ہذا القیاس قادر نہیں ہوا کہ مختلف زندگیوں کو آپس میں ''ملا'' کر (یعنی پیوند لگا کر یا کسی اور طریقے سے) کوئی نئی شے

پیدا کر سکے جیسا کہ ہائیڈروجن اور آکسیجن کو آپس میں ملا کر نئی شے پانی پیدا کر دیتا ہے۔ اس نے ابھی تک اس مسئلے کو بھی حل نہیں کیا کہ زندگی کی کتنی ''کثافت'' یا ''شدت'' ایک خاص قسم کا شعور پیدا کرتی ہے مثلاً قادر مطلق یا عالم مطلق کے درجے تک پہنچنے کے لئے کس ''مقدار کا شعور'' درکار ہوگا۔ ان امور سے ظاہر ہے کہ انسان نے کوئی پیمائش یا گنتی کی اکائیاں جاندار مادے کے متعلق ایجاد نہیں کیں۔ برخلاف اس کے فطرت کے پاس یہ اکائیاں لازماً موجود ہیں بلکہ لامحدود طور پر دریافتیں بھی اس کے پاس ہیں تاکہ فطرت اپنے نقشہ تخلیق کو مکمل کر سکے۔

زندگی بے جان مادہ کے تسلسل ہی کی ایک کڑی ہے

ادھر یہ بات لازمی ہے کہ بے جان مادہ ہی اپنے اندرونی ''ارتقا'' کی کسی منزل پر، یا اس پر کسی ''بیرونی'' حالات کے وارد ہوجانے سے ابتدائی زندگی میں یک لخت زمین پر بدل گیا ہوگا، لیکن انسان اب تک اس مظہر فطرت کو اپنی ریاضی کے قاعدوں یا پیمائش کی اکائیوں کے تابع نہیں کر سکا، نہ اب تک وہ اس عمل کو دریافت کر سکا ہے جس کی رو سے بیجان مادہ زندگی تک پہنچ سکتا ہے۔ (جاری)

دُعائے مغفرت

چوک اعظم کے خادم حلقہ عبدالرزاق کے والد، وہاڑہ مانسہرہ کے بھائی نوید احمد کے والد، راولپنڈی کے بھائی ولی محمد صاحب کی اہلیہ اور گوجرانوالہ کے بھائی حافظ شہزاد کے والد صاحب رضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں تمام بھائیوں سے دُعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

محترمہ رحیمہ گرفتھس (انگلینڈ)

(RAHIMA GRIFFITHS)

(ڈاکٹر عبدالغنی فاروق)

محترمہ رحیمہ گرفتھس وہ باہمت خاتون ہیں جنہوں نے اس صدی کے تیسرے عشرے میں اس وقت اسلام قبول کیا جب انگلستان میں ایسی مثالیں بہت کم تھیں اور شاید اس وقت تک کوئی انگیریز خاتون مسلمان نہ ہوئی تھی۔ اسلام قبول کرنے کے بعد ان پر کیا گزری، اس کی جھلکیاں اس مضمون میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

☆☆☆☆☆

چند ماہ پہلے تک میرا تعلق عیسائی مذہب سے تھا، لیکن اللہ کا شکر ہے اس نے اپنے فضل سے مجھے اسلام کو سمجھنے اور قبول کرنے کی سعادت عطا فرمادی۔ اس عنایت پر میں اس کا جس قدر شکر ادا کروں، کم ہے۔

میری عمر چھبیس برس ہے۔ میں لندن کے ایک عیسائی خاندان میں پیدا ہوئی اور اسی ڈھب پر عیش پرستانہ زندگی گزارنے اور ترقی کی دوڑ میں آگے بڑھنے کی کوشش کر رہی تھی جس پر ہمارے ملک کا بیشتر طبقہ کاربند ہے۔ مذہب عیسوی سے روایتی اور خاندانی وابستگی کی وجہ سے میں چرچ میں چلی جاتی تھی، لیکن میرے ذہن نے عیسائیت کے عقائد کو کبھی قبول نہیں کیا نہ اس مذہب نے مجھے کبھی سکون سے آشنا کیا۔۔۔۔ بظاہر ساری سہولتوں کے باوجود زندگی سچے اطمینان اور قلبی راحت سے محروم تھی اور میں ذہنی طور پر اپنے آپ کو خلا میں بھٹکتا ہوا محسوس کرتی تھی۔

دل کو بہلانے کی خاطر میں سیاحت پر چل نکلی اور ۱۹۲۷ء میں مصر پہنچ گئیں۔

ایک ٹورسٹ کی حیثیت سے میں نے قاہرہ کی مشہور مسجد محمد علی کو بھی دیکھا۔ میں مسجد کے جلال و جمال سے بھی متاثر ہوئی اور سب سے زیادہ خوش قسمتی یہ ہوئی کہ مسجد کو ان اوقات میں دیکھنے کا موقع ملا جب لوگ باجماعت نماز ادا کر رہے تھے۔

میں نے دیکھا کہ امیر و غریب پہلو بہ پہلو کھڑے ہیں اور یہاں اس طرح کو کوئی امتیاز نہیں ہے جس طرح کا مظاہرہ چرچ میں نظر آتا ہے، یعنی امیر لوگوں کے لیے الگ نشست گاہیں ہیں۔ اور غریبوں کے لیے الگ ہیں۔ پھر ان لوگوں میں میں نے اخلاص اور باہمی محبت کی ایک ایسی فضا

دیکھی جس کی کوئی نظیر یورپ کی زندگی میں نظر نہیں آئی تھیں۔اس پر مستزاد یہ کہ اپنے معبود کے لیے ان کا احترام اور خوف بے اختیار دل پر اثر کرتا تھا۔نماز کے دوران "اللہ اکبر" کی صدا دل و دماغ کو مسحور کیے جا رہی تھی۔میں اس سارے منظر کو دیکھ کر ورطہ حیرت میں ڈوب گئی۔

اس بات کو چار پانچ برس بیت گئے۔اس بار میں لندن کی ووکنگ مسجد میں چلی گئی اور ایک بار پھر اس ذہنی کیفیت سے دوچار ہوئی جس سے قاہرہ کی مسجد محمد علی میں ہوئی تھی۔وہی سکون اور راحت کا غیر معمولی احساس اور وہی اعلیٰ اخلاقی قدروں کا روح پرور نظارہ۔۔۔۔نماز کے بعد ایک صاحب نے قرآن کی پہلی سورت کے حوالے سے ایک لیکچر دیا اور مجھے پہلی بار اسلام اور قرآن کی تعلیمات کا تعارف حاصل ہوا۔ پتہ چلا کہ یہ سورت دراصل ایک دعا ہے۔ ہر مسلمان کے دل کی دُعا، ہر انسان کی دعا یہ بھی اندازہ ہوا کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے، اخوت اور محبت اس کا جوہر ہے اور یہ تمام نسلی، لسانی اور علاقائی امتیازات سے بالاتر ہے۔توحید اسلام کی گویا جان ہے اور خدائے واحد کے سوا کوئی بھی کسی درجے میں عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ مسلمان سارے پیغمبروں کی یکساں عزت کرتے ہیں اور اسلام صحیح معنوں میں امن اور اخوت کا علمبردار ہے۔اسلام کا مطلب ہی امن اور سلامتی ہے۔

عیسائیت اور یورپی اقوام کے حوالے سے مجھے یہ سب کچھ بہت ہی عجیب لگا۔یہ میرے لیے ذہنی اعتبار سے بالکل نیا تجربہ تھا۔چنانچہ میں نے تہیہ کر لیا کہ اسلام کے بارے میں مزید معلومات حاصل کروں گی۔اسلام مجھے ایک قابل عمل مذہب محسوس ہوا اور اندازہ ہوا کہ فکر اور حوصلے کی جو وسعت اسلام میں ہیں، اس سے عیسائیت محروم ہے۔چنانچہ میں نے اسلام کے بارے میں ضروری کتابیں حاصل کیں، قرآن پاک کا ایک نسخہ مسجد سے مل گیا اور امام صاحب نے میری رہنمائی شروع کر دی۔ جہاں مشکل پیش آتی میں سوال کرتی، موصوف اس کا شافی جواب دے دیتے اور میں مطمئن ہو جاتی۔ تحقیق و تفتیش کا یہ سلسلہ تین ماہ تک چلا حتیٰ کہ مجھے شرح صدر حاصل ہو گیا اور کلمہ پڑھ کر اعلانیہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئی۔

میرے نزدیک قرآن پاک ہیرے جواہرات کی ایک ایسی کان ہے جو کبھی ختم نہیں ہو گی اور قیامت تک ساری انسانیت کو سیراب کرتی رہے گی۔ یہ لازوال رہنمائی کا ایک ایسا ذریعہ ہے جو انسانی زندگی سے متعلق ایک ایک مسئلے میں رہبری کا فریضہ انجام دیتا ہے اور اس سے وابستہ

ہو کر نہ کوئی انسان گمراہ ہوگا نہ اسے کسی پریشانی سے سابقہ پیش آئے گا۔۔۔۔۔ چنانچہ جہاں تک میرے اپنی ذات کا تعلق ہے اسلام قبول کرنے اور قرآن سے تعلق جوڑنے کے بعد اب میرا دل اتنا مضبوط ہوگیا ہے اور ظاہری اعتبار سے میں ایک ایسے اعتماد سے روشناس ہوئی ہوں کہ کسی مشکل میں پریشانی قریب نہیں آتی۔ قبول اسلام کے نتیجے میں میں بہت سی مشکلات اور ذہنی و عملی آزمائشوں سے دوچار ہوئی ہوں، لیکن اللہ کا شکر ہے گھبراہٹ یا حزن میرے قریب بھی نہیں پھٹکتے۔ شادمانی اور راحت کی ایک ایسی کیفیت دل و دماغ پر طاری رہتی ہے کہ اسے الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ حالانکہ مجھے دین اسلام کی خاطر ایک معزز اور بھاری مشاہرے کی ملازمت سے ہاتھ دھونے پڑے، لیکن اللہ کا شکر ہے کہ میں حالات سے بددل نہیں ہوئی۔

میں قبول اسلام سے پہلے چرچ آف انگلینڈ کی نگرانی میں چلنے والے ایک ایسے ادارے کی نائب ناظمہ تھی جو لاوارث، بے سہارا بچوں کی پرورش گاہ تھی اور اپنے حلقہ میں بہت ہردلعزیز بھی تھی، لیکن جونہی میں نے اسلام قبول کیا، گویا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈال دیا۔ ادارے کے سارے رفقاء ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ گئے اور بہت جلد مجھے ملازمت سے برطرف کردیا گیا۔ اس ضمن میں ایک مہذب ملک کے مہذب لوگوں نے میرے ساتھ جو طیرہ اختیار کیا، اس کی جھلکیاں دیکھتے جایئے:۔

(ا) مسز A اس ادارے کی نگران کمیٹی کی سیکرٹری ہیں انہوں نے کمیٹی کی جانب سے مجھے مندرجہ ذیل خط لکھا:۔

ڈیر مس گرفتھس، آج ہی ہاؤس کمیٹی کے ارکان کو یہ سن کر بڑی ہی پریشانی اور حیرت ہوئی ہے کہ آپ مسلمزم (MOSLEMISM) میں دلچسپی لے رہی ہیں اور ووکنگ مسجد میں عبادت کرنے اور مذہبی لیکچر سننے جاتی ہیں۔

وضاحت کیجئے کہ کیا یہ خبر درست ہے کہ آپ اسلام سے عملی طور پر وابستہ ہوچکی ہو؟ اگر ایسا ہے تو کمیٹی آپ کو انتباہ کرتی ہے کہ اس صورت میں آپ کا ہمارے ساتھ چلنا ممکن نہیں رہے گا اور ہمارے لیے یہ امر ناقابل برداشت ہے کہ ہمارے ادارے کا ایک فرد نہ صرف عبادت کے لیے مسجد میں جاتا ہو بلکہ اپنے رفقاء کو بھی اپنے عقاید سے متاثر کرنے کی کوشش کرتا ہو۔

میں اس پر اپنی طرف سے مزید اضافہ یہ کروں گی کہ مجھے ذاتی طور پر آپ کا عیسائیت کو ترک

کر کے اسلام قبول کرنا بہت ہی برا محسوس ہوا ہے۔ میں آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ براہ کرم ساری صورت حال پر سنجیدگی سے غور فرمائیں اور اپنے عقاید پر نظر ثانی کریں۔

آپ کی مخلص۔

D.C.T.H.

اس خط کے جواب میں میں نے وضاحت کی کہ میرا قبول اسلام کا فیصلہ اٹل اور حتمی ہے۔ اس پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہوسکتا، لیکن میں حیران ہوں کہ یورپ میں مذہب انسان کا خالص ذاتی معاملہ ہے، پھر اس پر آپ لوگ اس قدر برافروختہ کیوں ہوئے ہیں جبکہ عقیدہ تبدیل کرنے سے نہ تو میری کارکردگی میں فرق آئے گا اور نہ بچوں سے خیر خواہی میں کمی ہوگی۔

میری اس وضاحت کے جواب میں متذکرہ خاتون کا ایک اور خط آیا کہ بلاشبہ مذہب ہر شخص کا ذاتی معاملہ ہے، لیکن ہمارے لیے یہ امر ناقابل برداشت ہے کہ ہم اپنے بچوں کو ایک مسلمان خاتون کے حوالے کردیں اور وہ انہیں گھٹن کے ماحول میں تنگ نظری کی تعلیم دیتی رہے۔

(۲) مسز B کا تعلق بھی مندرجہ بالا کمیٹی سے ہے وہ راسخ العقیدہ عیسائی ہیں اور پابندی سے چرچ میں جاتی ہیں۔ جب انہوں نے میرے قبول اسلام کا سنا تو گویا کسی نے ان کے قدموں تلے انگارے رکھ دیے۔ وہ بے اختیار اچھل پڑیں، خوف اور تشویش سے انہوں نے چیخ ماری اور دونوں ہاتھ فضا میں بلند کرتے ہوئے چلائیں ''اف غضب ہوگیا یہ میں کیا سن رہی ہوں؟ اف خدایا! میں تو پاگل ہوجاؤں گی۔ اسلام تو مردوں کا مذہب ہے اور ایک مرد نے بنایا ہے۔ یہ تو عورتوں کے لیے نرا عذاب ہے اور پھر اس کا تعلق خالص رنگ دار نسلوں سے ہے۔''

(۳) محترمہ C بھی کمیٹی کی رکن ہیں۔ وہ کئی سال تک بنگال میں مقیم رہی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جس علاقے میں وہ رہتی تھیں، وہاں کے مسلمان اچھے کردار کے لوگ نہیں تھے، یقیناً وہ غیر معمولی حد تک دیانت دار تھے، لیکن عادتاً جھوٹ بھی بولتے تھے۔ وہاں عورتوں سے جانوروں کا سا سلوک کیا جاتا تھا۔ مرد اپنی ماں، بہنوں اور دیگر رشتے داروں کی عزت کرتا تھا، لیکن اپنی بیوی کی ذرا پروا نہیں کرتا تھا اور اس کا سبب یہ تھا کہ ان کی مقدس کتاب، قرآن، انہیں یہی تعلیم دیتی تھی۔

میں نے اس خاتون کی متضاد باتوں پر بحث کرنا مناسب نہ جانا، تاہم قرآن سے متعلقہ

حصوں کا ترجمہ پڑھ کر سنایا جن میں بیویوں کے حقوق پر خصوصی زور دیا گیا تھا۔لیکن جھوٹ واشگاف ہونے پر بھی انہوں نے کسی شرمندگی کا اظہار نہ کیا۔

(۴) مسٹر Dاس کمیٹی کے مردرکن ہیں۔وسیع المطالعہ عالم فاضل آدمی ہیں۔ایک مشہور پبلک سکول کے ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر ہیں۔جب انہوں نے میری تبدیلی مذہب کا سنا تو انہوں نے گویا افشانی فرمائی ''جہاں تک میں جانتا ہوں یہ مسلمان لوگ تو بس جنت کے تصور میں مگن رہتے ہیں۔ان کا خیال ہے کہ وہاں ان کے لیے جنسی عیش وعشرت کے لامحدود مواقع مہیا کیے جائیں گے۔حالانکہ فطری جسمانی خواہشات تو موت کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہیں، آخرت کے حوالے سے ان کے بارے میں سوچنا ہی احمقانہ بات ہے۔

(۵) مسٹر Eایک پادری ہیں۔انہیں اس لیے بلوایا گیا تھا کہ وہ مجھے قائل کر کے دوبارہ آبائی مذہب پر لے آئیں۔موصوف نے بڑے دکھ بھرے لہجے میں میری سرزنش کی ''کیا تمہیں احساس ہے کہ تم نے کتنا خوفناک اقدام کر دیا ہے۔یہ تو اپنے ہاتھوں اپنی قبر کھودنے والی بات ہے۔اس طرح تو تم نے یسوع مسیحؑ کا انکار کر دیا ہے۔''

''ہرگز نہیں''،میں نے جواباً کہا''میں اب بھی جناب مسیحؑ کا احترام کرتی ہوں اور ان کے ساتھ جناب موسیٰؑ اور دیگر سب پیغمبروں کا بھی۔۔۔۔۔لیکن میں جناب محمدؐ کو خدا کا آخری نبی مانتی ہوں۔''

''تو گویا تم مسیحؑ کو موسیٰؑ کے برابر قرار دیتی ہو؟''پادری نے اعتراض کیا۔''جی ہاں۔اسلامی نقطہ نظر سے سارے پیغمبر یکساں لائق عزت ہیں۔۔۔۔۔اور یہ تو آپ جانتے ہیں کہ جناب موسیٰؑ نے ہی وہ خدائی احکامات (COMMANDMENTS) مہیا کیے تھے جو حضرت عیسیٰؑ نے بھی اختیار کر لیے اور اگر عیسائی ان کی پابندی کرتے رہتے تو گمراہ نہ ہوتے''

''لیکن حضرت عیسیٰؑ الوہیت کا درجہ رکھتے ہیں۔انہیں حضرت موسیٰؑ پر فوقیت حاصل ہے۔وہ خدا کے بیٹے ہیں''پادری نے کہا۔

میں نے اس دعوے کا ثبوت مانگا جو پادری کے پاس نہ تھا۔اس کے برعکس میں نے باقاعدہ بائبل کا حوالہ دیا جس میں جناب مسیح اعتراف کرتے ہیں کہ میں ''انسان کا بیٹا ہوں''۔

لاجواب ہو کر پادری صاحب کہنے لگے''کیا آپ عبادت کرتی ہیں؟''

''جی ہاں''

''کس کی؟''

''خدائے وحدہ لاشریک کی''

''آپ کالے لوگوں کے ساتھ کیسے کھڑی ہوتی ہیں؟ کیا آپ کے احساس پر چوٹ نہیں لگتی؟''

''رنگ سے کیا فرق پڑتا ہے؟'' میں نے جواب دیا ''وہ عقیدے کے اعتبار سے میرے بھائی ہیں۔ دراصل یہ صرف اسلام ہے جو عالمگیر اخوت اور مساوات کا درس دیتا ہے اور اس پر عمل بھی کرتا ہے۔ آج کی عیسائیت اس سے محروم ہے۔''

(۶) مسز F اس ادارے کی سربراہ تھی جس سے میں وابستہ تھی۔ میری بہت ہی مخلص اور گہری دوست تھی، لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد مجھے اس دوستی سے محروم ہونا پڑا۔ اس نے صاف بتا دیا کہ میں نے یہ حرکت کر کے اپنے آپ کو انتہائی پستیوں میں گرا دیا ہے اور اب اس کے دل میں میرے لیے ذرا بھی عزت نہیں رہی۔ اس نے سوال کیا ''کیا تم ذہنی طور پر ان کالے لوگوں کے مقابلے میں اپنے آپ کو برتر و اعلیٰ نہیں سمجھتیں جن کے تم برابر کھڑا ہونے کی کوشش کر رہی ہو؟''

''نہیں ایسا نہیں'' میں نے جواب دیا ''خدا کا شکر ہے میں کبھی بھی منفی قسم کے احساس برتری میں مبتلا نہیں رہی'' میں نے جواب میں کہا۔

میری اس دوست نے بھی اسلام کے خلاف دل کا غبار خوب نکالا اور سنی سنائی بے بنیاد باتیں کرتی رہی۔ ''اسلام تو صرف ہندوستانیوں کا مذہب ہے اور قرآن تو جنسی موضوعات کے گرد گھومتا نظر آتا ہے۔ اسلام میں بظاہر کچھ خوبیاں بھی ہیں لیکن اس کی مثال ایسے خوبصورت گرد پوش کی ہے جس میں بہت ہی گندی چیزیں ملفوف کی گئی ہوں۔ اسلام کا ذکر آتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے منہ میں بلغم آ جائے۔ اس میں فریب اور عیاری کے سوا کچھ نہیں۔ اس میں عورتوں کے ساتھ بڑا بھیانک سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ ایک ایک شخص کئی کئی شادیاں کرتا ہے گویا زنا کاری کو تقدس کا رنگ دے دیا گیا ہے۔۔۔۔۔؟

میں اس یاوہ گوئی پر اسے ٹک ٹک دیکھتی رہی۔ اس کے اول فول کا کیا جواب دیتی۔ پورا یورپ ہی اسلام کے بارے میں غلط بیانی اور جہالت میں مبتلا ہے۔

(۷) مس G سے بھی میرے گہرے مراسم تھے۔ اس نے تبدیلی مذہب کا سنا تو دوسروں کی طرح وہ بھی بہت سیخ پا ہوئی اور اس نے مجھے گالیوں اور کوسنوں سے بھرا ہوا خط لکھا اور جہالت کی بنیاد پر اس طرح کی الزام تراشی کی جیسی مسز F کر چکی تھی۔ چند سطور ملاحظہ ہوں:۔

''تم نے اسلام قبول کرلیا، بہت گھٹیا حرکت کر ڈالی۔ میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ تم اخلاقی اعتبار سے اس قدر گر جاؤ گی۔ میں نہیں سمجھتی کہ تمہیں اسلام میں کیا دلکشی نظر آئی۔ یہ خالص مشرقی مذہب ہے اور کسی تعلیم یافتہ یورپی عورت کی لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ وہ اسے اختیار کرے۔ بھلا کیا مقابلہ ہے قرآن کا انجیل مقدس سے۔ ذرا غور کرو محمدؐ کا خدا ایک جابر و قاہر بادشاہ کے روپ میں سامنے آتا ہے۔ جبکہ جناب مسیحؑ کا خدا باپ کی حیثیت رکھتا ہے۔ محمدؐ کا کہنا ہے کہ وہ پیغمبر ہے جب کہ مسیحؑ کہتے ہیں کہ ''میں باپ کی طرف سے آیا ہوں اور دنیا کو چھوڑ کر باپ ہی کی طرف جا رہا ہوں۔'' ان باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسیحؑ کا درجہ پیغمبر سے بہت اونچا ہے اور وہ دراصل انسانی جسم میں خدا تھے۔

میں اخلاقی اعتبار سے اسلام کے گھٹیا کردار کا ذکر کیا کروں؟ اس سے ساری دنیا واقف ہے۔ اس مذہب میں خصوصاً عورت کا درجہ بہت ہی پست ہے اور قرآن تعدد ازواج اور غلامی پر برملا زور دیتا ہے۔ تلوار کے زور پر تبدیلی مذہب کی تاکید کرتا ہے اور کھلم کھلا ہوس رانی پر عمل پیرا ہے۔''

غرض کیا بتاؤں اسلام قبول کرنے کے بعد مجھ پر کیا بیتی۔ سب سے زیادہ تکلیف وہ بات یہ تھی کہ یہ لوگ بظاہر تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود اسلام کے بارے میں بہت ہی غلط اور سطحی باتیں کرتے تھے۔ ان میں سے بعض الزامات تو اتنے مضحکہ خیز اور بودے تھے کہ میں ان کا ذکر کرنا پسند نہیں کرتی۔ مزید صدمہ اس بات کا ہے کہ یہ لوگ جواب میں اسلام کے بارے میں کوئی بات سنتے نہیں تھے۔ یوں لگتا تھا کہ انہوں نے اپنے دل کی آنکھیں اور کان سختی سے بند کر رکھے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس ساری مخالفانہ مہم کے باوجود میں اپنے دین پر قائم اور مکمل مطمئن و مسرور ہوں۔

کیا ہمارے پاس اس سوال کا جواب ہے؟

ابوقدامہ شام کے رہنے والے تھے۔وہ اپنے وقت کے عظیم مجاہد اور مسلمانوں کے لشکر کے سالار تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان کو بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا۔دل میں جذبہ جہاد بیدار رہتا۔مرد میدان تھے، بے شمار لڑائیوں میں حصہ لیا اور ہمیشہ غازی بن کر واپس آئے۔ایک دن مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے کہا: ''ابوقدامہ! آپ نہ جانے کتنے معرکوں میں حصہ لے چکے ہیں۔یقیناً اس جہاد میں بعض ایسے واقعات بھی پیش آئے ہوں گے جن سے آپ بہت زیادہ متاثر ہوئے ہوں گے۔ہمیں کوئی ایسا واقعہ سنائیں جس سے ہمارے ایمان تازہ ہوں اور شوق جہاد ہمارے اندر بھی پیدا ہوجائے۔'' ابوقدامہ کہنے لگے: تو سنو، میں تمہیں ایک ایسا واقعہ بتاتا ہوں جس سے میں بہت زیادہ متعجب اور متاثر ہوا:

صلیبی جنگیں اپنے عروج پر تھیں۔جب بھی عیسائیوں سے مقابلہ ہوتا، ہمارے نوجوان اسلام کی عظمت رفتہ کو واپس لانے کے لئے سر پر کفن باندھ کر دشمن کے مقابلے میں فولاد بن جاتے۔ہمیں معلوم ہوا کہ اسلامی سرحد پر دشمن کی فوج جمع ہو رہی ہے۔میں نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ''رقہ'' کا رخ کیا۔''رقہ'' شام میں دریائے فرات کے کنارے ایک بڑا قصبہ ہے۔میں نے وہاں سے اونٹ خریدا اور اس پر سامان حرب رکھا۔شام کے وقت قصبے کی مساجد میں گیا اور لوگوں کو جہاد کی ترغیب دی۔کئی نوجوان ہمارے ساتھ دشمن کے مقابلے کے لیے تیار ہو گئے۔مجاہدوں کے لئے لوگوں نے ساز و سامان کا ڈھیر لگا دیا۔

رات ہوئی تو میں نے ایک کمرہ کرائے پر لیا اور وہاں ٹھہر گیا۔رات کا کچھ حصہ گزرا تو کسی نے دروازے پر دستک دی۔مجھے بڑا تعجب ہوا کہ اتنی رات گئے مجھ سے کون ملنے کے لیے آسکتا ہے۔میں اس شہر میں بالکل اجنبی اور نووارد ہوں۔آخر یہ کون ہوسکتا ہے؟ اسی سوچ بچار میں تھا کہ دروازے پر دوبارہ دستک ہوئی۔جب میں نے دروازہ کھولا تو گلی میں ایک باپردہ باحیا خاتون نظر آئی۔جب رات گئے ایک خاتون کو دیکھا تو ڈر گیا کہ الٰہی: یہ کیا ماجرا ہے؟ میں نے کہا: اللہ کی بندی تو یہاں کیا لینے آئی ہے؟ کہنے لگی: آج تم ہی نے مساجد میں مجاہدین کے لیے ساز و سامان اکٹھا کیا ہے؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو وہ ایک چھوٹی سی پوٹلی میرے حوالے کر کے روتی ہوئی چل دی۔مجھے اس کے رونے پر بڑا تعجب ہوا۔پوٹلی میرے ہاتھ میں تھی۔میں نے قندیل روشن کی اور پوٹلی کو کھولا تو اس میں ایک خط اور بالوں سے بنی ہوئی رسی تھی۔میں نے اس خط کو

پڑھا۔ خط کا مضمون کچھ یوں تھا:

''ابو قدامہ! آج تم نے لوگوں کو جہاد کی ترغیب دی اور اس میں مالی طور پر شرکت کی دعوت دی۔ میں ایک عورت ہوں، خاتون خانہ ہوں۔ میں جہاد نہیں کرسکتی، نہ میرے پاس مال و دولت ہے کہ میں مجاہدین کے لیے مال پیش کرسکوں۔ چنانچہ میرے پاس جو نہایت خوبصورت اور اہم چیز تھی وہ میں تمہارے پاس لے کر آئی ہوں۔ یہ میرے بالوں کی لٹ ہے۔ میں نے اس سے یہ رسی بنائی ہے۔ تم اس رسی سے کسی مجاہد کے گھوڑے کو باندھ لینا۔ ہوسکتا ہے کہ جب میرا رب مجاہد کے گھوڑے کو میرے بالوں سے بنی ہوئی رسی سے بندھا دیکھے تو اس کو میرا یہ عمل پسند آجائے اور وہ مجھ سے راضی ہوجائے اور مجھے معاف کر کے جنت دے دے۔''

ابو قدامہ کہنے لگے: مجھے اس خاتون پر بڑا تعجب ہوا، راہ جہاد میں اس کی شرکت، اپنی مغفرت کی فکر اور جنت کا شوق، سبحان اللہ۔ ہر چند کہ یہ کام شریعت میں جائز نہیں کہ کوئی عورت اپنے بالوں کو کاٹے اور ان کی رسی بنائے، لیکن جہاد کی محبت اور جنت کا شوق اس پر غالب آ گیا اور وہ یہ کام کر گزری۔ میں اس رسی کو اپنے سامان میں رکھ کر سو گیا۔

اگلے دن صبح سویرے حسب پروگرام مجاہدین کا قافلہ سرحد کی طرف میدان جنگ میں شرکت کے لیے روانہ ہوا۔ جب ہم مسلمہ بن عبدالملک کے قلعہ کے پاس پہنچے تو پیچھے سے ایک گھڑ سوار تیزی سے ہماری طرف بڑھتا نظر آیا۔ وہ آواز لگا رہا تھا: ابو قدامہ! ذرا رک جاؤ، میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: تم چلو! میں اس آدمی کی بات سن کر آتا ہوں۔ میں رک گیا اور سوار کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد گھڑ سوار میرے پاس آ کر رکا۔ چہرہ چادر سے ڈھکا ہوا تھا، آتے ہی بولا: اللہ کا شکر ہے کہ میری آپ سے ملاقات ہوگئی ہے اور میں نے گھر والوں سے کیے وعدے کو پورا کر دیا ہے۔ میں نے کہا: کونسا وعدہ، اور مجھ سے ملنے کی غرض و غایت کیا ہے؟ کہنے لگا: میں جہاد میں شرکت کے لیے آیا ہوں۔ تاخیر ہوگئی۔ میں نے کہا: اپنے چہرے سے کپڑا ہٹاؤ۔ اگر تمہاری عمر جنگ و قتال کے قابل ہوئی تو تمہیں اپنے ہمراہ لے جاؤں گا ورنہ میں تمہیں واپس کر دوں گا۔ جب اس نے چہرے سے پردہ ہٹایا تو میرے سامنے ۱۶، ۱۷ سال کا نہایت خوبصورت نوجوان کھڑا تھا۔ میں نے اس سے کہا: تمہارا والد زندہ ہے؟ کہنے لگا: نہیں، اس کو صلیبیوں نے شہید کر دیا ہے۔ میں اللہ کے ان دشمنوں سے جہاد کرنے کے لئے آیا ہوں۔ میں نے کہا: تمہاری

والدہ زندہ ہے؟ کہنے لگا: ہاں وہ زندہ ہے۔ میں نے کہا: پھر اس کی خدمت کرو اور اس کے پاس واپس چلے جاؤ، اس کے قدموں میں جنت ہے۔ اس نے میری اس بات پر بڑا تعجب کیا اور کہنے لگا: آپ میری والدہ کو نہیں جانتے؟ میں نے کہا: نہیں۔ کہنے لگا: اتنی جلدی بھول گئے، میری والدہ وہی پوٹلی والی خاتون ہے جو رات کو آپ کی خدمت میں آئی تھی۔ مجھے رات کا واقعہ یاد آ گیا۔ میں نے کہا: اچھا تو وہ تمہاری والدہ تھیں۔ کہنے لگا: ''ہاں وہ میری والدہ تھی اور اسی نے مجھے کافروں سے جہاد کے لیے روانہ کیا ہے اور مجھے قسم دی ہے کہ میں جہاد میں شرکت کیے بغیر گھر واپس نہ آؤں۔''

''ابوقدامہ! جب میں یہاں آ رہا تھا تو میری والدہ نے کچھ نصیحتیں کیں۔ کہنے لگی: میرے بیٹے! میری بات غور سے سنو۔ جب تمہارا کافروں سے مقابلہ ہو تو دیکھنا کہیں تمہارے قدم پھسل نہ جائیں۔ دشمن کے مقابلے میں بھاگ نہ جانا، اور ہاں جنگ کے وقت رب کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے، اپنے رب سے اس کے جوارِ رحمت میں جگہ اور مقام طلب کرنا۔ جنت میں اپنے والد اور اپنے ماموں کی ہمسائیگی مانگنا۔ اور پھر میرے پیارے بیٹے! اگر تم کو شہادت مل جائے تو رب سے میری مغفرت کی شفاعت کرنا۔''

''پھر میری والدہ نے مجھے اپنے سینے سے لگالیا اور آسمان کی طرف منہ کر کے کہنے لگی: اے اللہ! یہ میرا بیٹا ہے، میرا لختِ جگر ہے، میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ میں اسے تیرے سپرد کرتی ہوں۔ اے اللہ! اسے اپنے والد اور ماموں کے پاس جگہ دینا۔''

ابوقدامہ نے بتایا: مجھے اس نوجوان کی گفتگو سن کر بڑا تعجب ہوا۔ اس نوجوان نے جلدی سے کہا: ''ابوقدامہ! آپ کو اللہ کی قسم، مجھے جہاد میں شرکت سے محروم نہ کریں۔ میں رب کی راہ میں شہادت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ انشاء اللہ میں شہید ہوں گا، ایک شہید کا بیٹا، ایک شہید کا بھانجا۔ میری چھوٹی عمر پر نہ جائیں۔ میں حافظِ قرآن ہوں، تیر اندازی اور شمشیر زنی کا ماہر ہوں، گھڑ سواری میرے لئے کھیل اور تماشا ہے۔ مجھے اپنے ساتھ لے چلیں۔'' چنانچہ میرے پاس اس نوجوان کو ہمراہ لے جانے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔

ابوقدامہ نے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا: دورانِ سفر واقعی اس نوجوان نے جیسا کہا تھا میں نے ویسا ہی اس کو پایا۔ وہ ہم سب سے آگے آگے اور مجاہدین کی خدمت میں پیش پیش رہتا۔ شام ہونے کو تھی۔ ہم سارے دن کے سفر سے خاصے تھکے ہوئے تھے۔ ہم نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا اور کھانے پکانے کا سامان کرنے لگے۔ اسی دوران میں وہ لڑکا میرے پاس آیا اور مجھے

قسم دے کر کہنے لگا: ''چچا جان! آپ کو اللہ کی قسم! مجھے مجاہدین کا کھانا تیار کرنے کی سعادت حاصل کرنے دیں۔ میں ان کا نوکر اور خادم ہوں۔ میں ان کا کھانا پکاؤں گا۔'' میں نے ہر چند انکار کیا: مگر اس کا اصرار غالب آ گیا۔ میں نے اس سے کہا: اچھا پڑاؤ سے ذرا دور آگ جلاؤ تا کہ اس کے دھویں سے ساتھی پریشان نہ ہوں۔ چنانچہ ہم سے ذرا دور آگ جلا کر کھانا پکانے لگ گیا۔ خاصی دیر گزر گئی تو میرے ساتھیوں نے کہا: ابوقدامہ اپنے ساتھی کی خبر لو، وقت خاصا گزر چکا ہے اور وہ کھانا لے کر نہیں آیا۔ میں نے کہا: میں ابھی اس کے پاس جاتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ کھانا کس مرحلے میں ہے۔ جب اس کے پاس گیا تو دیکھا کہ چولہے پر برتن رکھا ہے، آگ جل رہی ہے اور ذرا دور وہ نوجوان ایک پتھر پر سر رکھ کر سو رہا ہے۔ مجھے اس پر بڑا ترس آیا اور ہمدردی کے جذبات اُمڈ آئے۔ میں نے اس کو گہری نیند سے اُٹھانا مناسب نہ جانا اور خود کھانا پکانے لگ گیا۔ اس دوران میں کبھی کبھار اس کے پرسکون چہرے کو دیکھتا رہا۔ سارے دن کے سفر کی تھکاوٹ سے وہ دنیا جہان سے بے پروا ہو کر سو رہا تھا۔ اچانک اس کے چہرے پر مسکراہٹ طاری ہو گئی۔ میں نے غور سے اس کو دیکھنا شروع کر دیا۔ اس کی مسکراہٹ گہری ہوتی گئی، پھر اس نے اچانک ہنسنا شروع کر دیا اور پھر زوردار ہنسی کے دوران میں اس کی آنکھ کھل گئی۔ جیسے ہی اس کی نظر مجھ پر پڑی، وہ بڑا شرمندہ اور کھسیانا سا ہو کر میری طرف دیکھنے لگا۔ اس نے کہا: ''مجھے معاف کر دیں، میں نے آپ کے کھانے میں تاخیر کر دی۔ دراصل تھکاوٹ کی وجہ سے نیند کا غلبہ ہو گیا اور میں غالباً گہری نیند سو گیا تھا، میں خواب دیکھ رہا تھا۔'' میں نے محبت سے اس کو دیکھا اور کہا: کوئی بات نہیں، تم میرے بیٹے ہو، آؤ مل کر کھانا پکاتے ہیں۔ اس نے کہا: نہیں میں آپ کا خادم ہوں، کھانا میں تیار کرتا ہوں۔ اب کی بار میں نے اس کو قسم دی کہ جب تک تم اپنا خواب اور خواب میں مسکرانے اور پھر ہنسنے کا قصہ نہیں سنا لیتے، میں تمہیں کھانے کو ہاتھ نہیں لگانے دونگا۔

کہنے لگا ''چچا جان! اس خواب کو میرے اور میرے رب کے درمیان ہی رہنے دیں''۔ میں نے پھر اس کو قسم دی کہ سناؤ تم نے خواب میں کیا دیکھا ہے۔ کہنے لگا: ''چچا جان! میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں ہوں۔ اس کی خوبصورتی اور حسن کے کیا کہنے! میں اس کی خوبصورتی اور حسن میں محو آگے بڑھتا گیا۔ راستے میں مجھے نہایت خوبصورت محل نظر آیا۔ سونے اور چاندی کا بنا ہوا محل اپنی نظیر آپ تھا۔ اس کے دروازے سونے کے تھے، اس پر موتی جواہرات لگے ہوئے تھے۔ اس میں نہایت خوبصورت لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک نے اپنے ساتھ بیٹھی لڑکی کو مخاطب کیا اور میری طرف اشارہ کر کے کہنے لگی: یہ مرضیہ کا خاوند ہے، یہ مرضیہ کا خاوند ہے۔

میں نہیں جانتا تھا کہ مرضیہ کون ہے، چنانچہ میں نے اس سے پوچھا: کیا تم مرضیہ ہو؟ کہنے لگی: نہیں، میں تو اس کی نوکرانیوں میں سے ایک ہوں۔ تم اگر مرضیہ کو دیکھنا اور ملنا چاہتے ہو تو اس محل میں داخل ہو جاؤ، تمہیں وہ مل جائے گی۔ میں اس محل میں داخل ہوا۔ اس کے کمرے ایک سے بڑھ کر ایک خوبصورت تھے۔ اُوپر والی منزل میں ایک نہایت خوبصورت کمرہ، جس میں مسہری بچھی ہوئی اور اس پر نہایت خوبصورت روشن چہرے والی خوبرولڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ میں اس کے قریب ہوا تو کہنے لگی: اے اللہ کے ولی اور اس سے محبت کرنے والے! مجھے اللہ نے تمہارے لئے اور تمہیں میرے لئے پیدا کیا ہے، میری اور تمہاری ملاقات ضرور ہوگی۔ مگر اس ملاقات میں ابھی تھوڑا سا وقت باقی ہے۔ میری تمہارے ساتھ ملاقات کل ظہر کے بعد ہوگی۔ میں نے اس کی گفتگو سنی تو چہرے پر مسکراہٹ طاری ہوگئی، پھر میں شوق ملاقات میں ہنسنے لگا۔'' ابوقدامہ کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا: تم نے نہایت اچھا خواب دیکھا ہے۔

ابوقدامہ نے آگے بیان کیا: ہم نے رات کا کھانا کھایا اور اگلے دن کے سفر کی تیاری کر کے آرام کرنے کے لیے اپنے پڑاؤ میں چلے گئے۔ فجر کی نماز کے بعد ہم نے چھاؤنی کی طرف کوچ کیا اور وہاں باقی اسلامی فوج کے ساتھ شامل ہو گئے۔ دن ذرا روشن ہوا تو ہم دشمن کے ساتھ مقابلے کے لیے کمربستہ ہو گئے۔ صفوں کو سیدھا کیا گیا اور کمانڈر نے میمنہ اور میسرہ پر نگران مقرر کیے، سورۃ الانفال کی آیات تلاوت کی گئیں اور جہاد کے اجر و ثواب کو بیان کیا گیا۔ مجاہدین میں جوش و خروش پیدا ہو گیا اور وہ شہادت کے رتبے کو حاصل کرنے کے لیے بے چین ہو گئے۔ ساتھیوں نے اپنے دائیں بائیں اپنے رشتہ داروں، عزیزوں اور بہادروں کو جمع کیا کہ وقت آنے پر ایک دوسرے کی مدد کر سکیں۔ مگر اس نوجوان کا یہاں کوئی واقف کار تھا نہ باپ نہ رشتہ دار، جو اس کے بارے میں سوچتا، اس کو اپنے قریب بلاتا۔ میں اسی سوچ اور فکر میں تھا کہ اس کو اپنے ساتھ رکھوں۔ اچانک میری نظر اس پر پڑی، وہ بالکل اگلی صفوں میں نظر آ رہا تھا۔ میں صفوں کو چیرتا ہوا اس کے پاس جا پہنچا اور کہا: اے میرے بیٹے! کیا اس سے پہلے بھی کسی معرکے میں شرکت کر چکے ہو؟ اس نے کہا کہ نہیں، یہ میری پہلی جنگ، پہلا جہاد اور کافروں سے پہلا مقابلہ ہے۔ میں پہلی مرتبہ میدان جنگ کو دیکھ رہا ہوں۔ میں نے کہا: بیٹے! جنگ کوئی کھیل نہیں، بڑے بڑے بہادروں کے پتے پانی ہو جاتے ہیں۔ تم ایسا کرو کہ میدان جنگ کے پچھلے حصہ میں چلے جاؤ۔ اگر اللہ نے ہم کو فتح عطا کی تو تم بھی اس میں حصہ دار ہو گے اور اگر خدانخواستہ معاملہ اس کے برعکس ہو تو کم از کم تمہاری جان تو بچ جائے گی۔ اس نے میری طرف عجیب نظروں سے دیکھا اور کہا: آپ ایسی بات

کہہ رہے ہیں!! میں نے کہا: ہاں میں ایسی بات کہہ رہا ہوں۔ کہنے لگا: چچا جان! کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں جہنمی بن جاؤں؟ میں نے کہا: اعوذ باللہ۔ بیٹے! میں ایسا کیوں چاہنے لگا، جہاد میں ہم جہنم کی آگ سے بچنے کے لیے تو آئے ہیں۔ ہم تو اللہ تعالیٰ سے جنت کے طالب ہیں۔ تب وہ مجھ سے کہنے لگا: چچا جان! اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے۔

''اے ایمان والو! جب تم کافروں سے دوبدو مقابل ہو جاؤ تو ان کے سامنے پیٹھ مت پھیرنا، اور جو شخص ان کے سامنے اس موقع پر پیٹھ پھیرے گا، مگر ہاں جو لڑائی کے لیے پینترا بدلتا ہو یا جو اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے آتا ہو، وہ مستثنیٰ ہے۔ باقی اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کے غضب میں آ جائے گا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا، اور وہ بہت بری جگہ ہے۔'' (الانفال: ۱۵،۱۶)

کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں میدان جنگ سے بھاگنے والوں میں سے بن جاؤں اور پھر جہنم میرا ٹھکانہ ہو؟ ابوقدامہ کہنے لگے، میں اس کی سوچ اور فکر پر بڑا حیران ہوا۔ اس آیت کا مفہوم اور جہاد سے اس کی اس درجہ محبت! میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اسی دوران میں لڑائی شروع ہو گئی۔ گھمسان کا رن پڑا۔ تلواریں چلنے لگیں۔ ہمارے درمیان گھوڑے حائل ہو گئے۔ دونوں طرف سے بہادروں نے اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ ہر ایک کو اپنی اپنی فکر۔ زرہیں اور خود کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ لوگ زخمی ہو کر نیچے گر رہے تھے۔ پھر میدان میں گرد و غبار چھا گیا۔ کسی کو کسی کا ہوش نہ رہا حتی کہ دوپہر کا وقت ہو گیا۔ مومنین کی اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص رحمت سے مدد فرمائی اور انہیں غلبہ عطا ہوا۔ دشمن بھاگنے پر مجبور ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے صلیبیوں کو شکست دی۔ جب میدان خالی ہوا تو ہم نے ظہر کی نماز ادا کی۔ اور پھر ہر کوئی اپنے عزیز و اقارب کو تلاش کرنے اور اس کا حال دیکھنے اور پوچھنے کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ مگر وہ نوجوان جس کا نہ کوئی قریبی رشتہ دار تھا اور نہ کوئی اس کو پوچھنے والا تھا، میرے دل میں اسی کا خیال تھا کہ وہ کہاں ہے۔ کہیں زخمی تو نہیں، کہیں دشمن بھاگتے ہوئے اسے قیدی بنا کر نہ لے گیا ہو؟ دل میں طرح طرح کے خیالات اور وسوسے آتے رہے اور میں اس کو تلاش کرنے کے لیے چل پڑا۔ میں مقتولین اور زخمیوں میں اسے تلاش کرتے کرتے آگے بڑھ گیا کہ یکایک ایک طرف سے آواز سنائی دی: لوگو! میرے چچا ابوقدامہ کو تلاش کرو۔ میں نے آواز کی جانب کان لگائے اور اس طرف چل دیا، سامنے اس

نوجوان کو شدید زخمی حالت میں دیکھا۔اس کا جسم زخموں سے چور تھا۔سینے کی ہڈیاں ٹوٹ چکی تھیں، وہ یتیم صحراء میں جان کنی کے عالم میں تھا۔میں تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔میرے بیٹے! میری طرف دیکھو۔میں ہوں تمہارا چچا ابوقدامہ، یہ میں ہوں ابوقدامہ۔اس نے آنکھیں کھولیں اور گویا ہوا: ''اللہ تیرا شکر ہے، ابوقدامہ میرے پاس آ گئے ہیں۔چچا! میری وصیت کو پلے باندھ لیں، اسے غور سے سنیں۔'' میں نے اس کو اپنی گود میں لٹا لیا۔اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھا تو میری آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔اتنا خوبصورت چہرہ! میں نے اپنی عباء سے اس کے چہرے کو صاف کیا۔دل میں اس کی ماں کا تصور آیا۔جب اس کو بیٹے کی اطلاع ملے گی تو اس کا کیا حال ہو گا۔گزشتہ برس اس کا خاوند شہید ہوا، پھر اس کا بھائی اور اب بیٹا۔اللہ اکبر، اس کے دل پر کیا گزرے گی! نوجوان نے اپنی آنکھیں کھولیں اور کہنے لگا: ''چچا! اپنی چادر سے میرے جسم کو صاف نہ کریں بلکہ میری چادر سے اس لہو کو صاف کریں۔چچا جان! میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ جب میں وفات پا جاؤں تو مجھے اس میدان میں دفن کر دیں اور رقہ میں میری والدہ کے پاس ضرور جائیں۔اس کو خوشخبری سنائیں کہ اس کے رب نے اس کے تحفے کو قبول کر لیا ہے، اس کا بیٹا رب کی بارگاہ میں شہید ہو کر پہنچا ہے، اس نے زخم اپنے سینے پر کھائے ہیں، دشمن کے مقابلے میں پیٹھ نہیں پھیری۔میری والدہ سے کہیں کہ کل انشاءاللہ میں جنت میں اپنے والد اور ماموں سے ملاقات کروں گا تو ان کو تمہارا سلام پیش کروں گا۔چچا جان! میری والدہ میری موت پر یقین نہیں کرے گی۔ایسا کریں کہ میرے خون آلود کپڑے اپنے ہمراہ لے جائیں۔اس کو دکھائیں اور اس سے کہیں کہ اب تمہاری اپنے بیٹے سے ملاقات انشاءاللہ جنت میں ہو گی۔

''چچا جان! میرے گھر میں میری 9 سالہ چھوٹی بہن ہے جو مجھ سے نہایت محبت اور پیار کرتی تھی۔جب بھی گھر جاتا خوشی سے چہک اٹھتی۔جب گھر سے روانہ ہوتا تو غمگین ہو جاتی۔گزشتہ برس والد صاحب کی شہادت سے بڑی غمگین اور پریشان رہی۔جب میں جہاد کے لیے آ رہا تھا اور اس کو میری روانگی کا پتہ چلا تو میرا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی۔اور کہنے لگی: بھیا! ہمیں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟ رُک جاؤ، بھیا! جلدی واپس آنا اور زیادہ دیر نہ کرنا، میں اُداس ہو جاؤں گی۔ چچا جان! میری بہن کو دلاسہ دینا، اس کے سر پر ہاتھ رکھنا اور اس کو حوصلہ دینا''۔

اس کی آواز بتدریج آہستہ ہوتی گئی۔وہ مجھ سے گھر کی، اپنے والدین کی اور جہاد کی باتیں

کرتا رہا۔ پھر اس کے ہونٹ آہستہ آہستہ ہلنے لگے۔ اس کی باتیں اچھی طرح سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔ دراصل اس کا آخری وقت آ چکا تھا۔ اچانک اس نے زور کہا: ''چچا جان، اللہ کی قسم! میرے رب نے اس خواب کو سچ کر دکھایا ہے۔ رب کعبہ کی قسم! جو خواب میں نے دیکھا تھا وہ سچ تھا۔ اللہ کی قسم! اب میں مرضیہ کو دیکھ رہا ہوں۔ اس کی خوشبو آ رہی ہے''۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس نے میرے ہاتھوں میں جان دے دی۔

ابوقدامہ کہہ رہے تھے: میں نے اس کے خون آلود کپڑوں کی گٹھڑی بنائی، شہدا کو دفن کیا اور اس کا پیغام اس کی والدہ کو پہنچانے کیلئے رقہ آ گیا۔ رقہ میں نہ تو اس کی والدہ کے نام کا پتہ تھا نہ اس نوجوان کا نام پوچھ سکا۔

میں اسی سوچ و بچار میں تھا کہ اس کے گھر کے بارے میں کہاں سے پتہ پاؤں۔ گلیوں میں چلتے چلتے ایک مکان کے باہر میں نے ایک پریشان صورت بچی کو دیکھا جو مختلف راہ گیروں سے پوچھ رہی تھی کہ تم کہاں سے آئے ہو۔ اگر کوئی کہتا کہ میں میدان جہاد سے آیا ہوں تو وہ اپنے بھائی کے بارے میں سوال کرتی کہ میرا بھائی کہاں ہے۔ تم نے اس کو نہیں دیکھا؟ سارے لوگ آ رہے ہیں؟ وہ کیوں نہیں آ رہا؟ کہاں چلا گیا؟ لوگ ''ہمیں معلوم نہیں،، کہہ کر آگے بڑھ جاتے۔ پھر اس کی نظر مجھ پر پڑی تو پوچھنے لگی: چچا! آپ کہاں سے آ رہے ہیں؟ میں نے کہا: جہاد سے۔ وہ بولی: پھر تو آپ کو میرے بھیا کے بارے میں ضرور معلوم ہوگا۔ میں نے اِس سے پوچھا تمہاری والدہ کہاں ہے؟ کہنے لگی کی گھر میں ہے۔ میں نے کہا کہ اس کو باہر بلاؤ۔ تھوڑی دیر میں اس کی والدہ چادر میں لپٹی ہوئی باہر نکلی۔ جب اس نے میری آواز سنی تو اس نے پوچھا: تم ابوقدامہ ہو؟ میں نے کہا: ہاں میں ابوقدامہ ہوں۔ کہنے لگی: تو پھر بتاؤ کہ تم میرے لئے خوشخبری لے کر آئے ہو یا کوئی بری خبر۔ میں نے کہا: اماں جان تمہارے نزدیک خوشخبری کے معنی کیا ہیں؟ کہنے لگی: اگر تم مجھے یہ خبر دو گے کہ میرا بیٹا اسلام کے دشمنوں سے، صلیبیوں سے لڑتا ہوا شہید ہو گیا ہے تو یہ میرے لئے خوشخبری ہے کہ میں شہید کی ماں بن گئی ہوں۔ اور اگر مجھے بتاؤ گے کہ میرا بیٹا بچ کر، غازی بن کر، مال غنیمت لے کر لوٹا ہے تو یہ میرے لئے اچھی خبر نہیں کہ میرے رب نے میرے ہدیے کو، میرے تحفے کو قبول نہیں کیا۔

میں نے دل پر قابو رکھ کر کہا: اماں جان! میں تمہارے پاس شہادت کی بشارت لے کر آیا

ہوں۔ تمہارا بیٹا رب کی راہ میں شہید ہوگیا ہے۔ اس نے زخم سینے پر کھائے ہیں۔ دشمن کے مقابلے میں اس نے نہ تو منہ پھیرا ہے، نہ ہی بھاگا ہے۔

ماں کہنے لگی: ابوقدامہ! مجھے تمہاری بات پر پورا یقین نہیں آ رہا ہے۔ تمہارے پاس اس کا ثبوت کیا ہے؟

میں نے وہ خون آلود کپڑوں کی گٹھڑی کھولی اور اس میں سے اس نوجوان کے کپڑے نکالے۔ یہ دیکھو اماں، اس کا پھٹا ہوا کرتا، کیا وہ یہی پہن کر گھر سے نہیں نکلا تھا؟ یہ دیکھو اس کی چادر، اِسی سے تم نے اپنے ہاتھوں اس کے سر پر عمامہ باندھا تھا۔ میں اس کو روتے ہوئے کپڑے دکھاتا گیا۔ اس کی بہن خاموشی سے اس منظر کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی والدہ نے اللہ اکبر کہا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ اس کی بہن کو جب اپنے بھائی کی شہادت کا پتہ چل گیا، یقین ہوگیا تو اس نے چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑی۔ اس کی ماں دوڑتی ہوئی اندر گئی اور پانی کا پیالہ لے کر آئی۔ میں بچی کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے لگا اور اس کو ہوش میں لانے کی ترکیب کرنے لگا۔ اس کی ماں نے بچی کو اپنے ہاتھوں میں اٹھایا اور گھر میں چلی گئی۔ اندر سے دروازے کو بند کر لیا۔ میں دروازے سے منہ لگائے کھڑا اس کی آہ وزاری سن رہا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی: اے میرے رب، اے میرے مالک، اے میرے خالق! میں نے اپنا خاوند، اپنا بھیا، اپنا لاڈلا بیٹا تیرے سپرد کر دیا۔ وہ تیری راہ میں شہید ہو گئے۔ اے اللہ! تو اپنے فضل وکرم سے مجھ سے راضی ہو جا اور مجھے بھی ان کے ساتھ جنتیوں میں شامل کر دے۔

ابوقدامہ کہنے لگے: میں نے متعدد بار اس کا دروازہ کھٹکھٹایا کہ شاید وہ دروازہ کھول دے تو اس کی مالی طور پر مدد کروں، یا اس کے بارے میں لوگوں کو مطلع کروں، مگر نہ اس نے دروازہ کھولا اور نہ اس کی آواز سنائی دی۔ اللہ کی قسم! میں نے اس سے زیادہ اسلام سے، جہاد سے اور اپنے رب سے محبت کرنے والی کوئی خاتون نہیں دیکھی۔

قارئین کرام! یہ ایک خاتون تھی جس نے اپنی ہر پیاری چیز اللہ کی راہ میں قربان کر دی۔ ہم اس سلسلے میں اپنی ذمہ داریاں اور فرائض کہاں تک پورے کر رہے ہیں، کیا ہمارے پاس اس سوال کا جواب ہے؟ (''المشتاقون الی الجنۃ'' سے ماخوذ)

سطحی باتیں

(رحمت اللہ شاہ)

نوٹ! یہ مضمون حلقہ لسوڑی کے بھائی نے ملائیشیا سے بھجوایا ہے جو ایک کورس کیلئے وہاں گئے ہیں۔ ہندوؤں کا حج ملائیشیا میں ہوتا ہے۔ ملائیشیا کے دارالحکومت کوالالمپور سے 20 کلومیٹر کے فاصلے پر باتو کیو(BATU CAVE) ہے۔ یہ جگہ باتو کیو کہلاتی ہے۔ جو کہ ایک پہاڑ کے اندر غار ہے۔ اردگرد کوئی خاص پہاڑ نہیں ہیں۔ ایک ہی پہاڑ ہے جو سرسبز درختوں میں گھرا ہوا ہے۔ یہ پہاڑ اندر سے خالی کیا گیا ہے۔ جس میں داخل ہونے کیلئے 270 سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جاتے ہیں پھر ایک بڑے غار کی مانند داخلے کیلئے راستہ ہے اس سے اندر داخل ہو کر چند سیڑھیاں نیچے اترنا پڑتا ہے۔ اندر سے یہ ایک بڑے ہال کی مانند ہے جو گول ہے۔ روشنی کیلئے بجلی کا انتظام بھی ہے مگر پہاڑ کی چھت سے دو چار سوراخوں سے آنے والی روشنی قدرتی حسن میں اضافہ کرتی ہے۔ غار میں جہاں ایک طرف سے داخل ہوں تو سامنے ہی دوسری طرف دوبارہ بلندی پر چڑھ کر باہر نکلنے کا راستہ ہے جہاں لوگ پوجا کرنے کیلئے جاتے ہیں۔

اس علاقے میں بہت سے سٹالز لگائے جاتے ہیں۔ اس بڑے غار کے باہر سیڑھیوں کے ایک طرف ایک سنہری رنگ کا خوبصورت بت ہے جو دنیا میں ہندوؤں کا سب سے بڑا بت ہے۔ اس بت کا نام موراگان (Muragan) ہے۔ یہ سونے اور تانبے کی ملاوٹ سے بنایا گیا ہے۔ ہندو لوگ اسے دیوادیوی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس بڑے بت کے علاوہ دو تین اور بڑے بت ہیں جو الگ چبوتروں میں چھتوں پر رکھے گئے ہیں۔ چھوٹے بتوں کی گنتی کرنا ذرا مشکل کام ہے۔ لوگوں کے بیٹھنے اور آرام کرنے کیلئے بنے ہوئے ہر چبوترے کی چھت پر کئی بت تھے۔ کئی صورتیں اور شکلیں تھیں۔ ان چبوتروں کے اندر لوگ قطاروں میں کھڑے تھے۔ جس کو ایک فرد درختوں کے پتے اور پانی وغیرہ دے رہا تھا۔ اسے یہ لوگ Pusiyari کہتے ہیں۔ یہ صرف ایک بندہ ہوتا ہے مگر اس حج کے موقع پر اس کی جگہ کئی بندے مختلف جگہوں پر کام کر رہے ہوتے ہیں ان لوگوں کو ARCHANAI کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ بت کے قریب

جانے کے اہل ہوتے ہیں عوام ان بتوں کے قریب نہیں جا سکتی۔ یہ ARCHANAI لوگوں کی جگہ بت سے فریاد کرتے ہیں۔ ہندوؤں کے اس تہوار کیلئے کوئی خاص دن یا تاریخ مقرر نہیں ہے۔ اس تہوار کا تعین ہندو اکابرین کرتے ہیں۔ یہ تاریخوں کے تعین میں چاند کے مہینوں کی تاریخیں بتاتے ہیں۔

ان تاریخوں کے تعین میں چاند کے مہینوں کی تاریخیں بتاتے ہیں۔ ان تاریخوں پر ہر سال میں ایک مرتبہ یہ تہوار شروع ہوتا ہے۔ اس کے ختم ہونے کا دن مقرر نہیں تاہم پندرہ دن تک یہ چلتا رہتا ہے۔ حکومت ملائیشیا دارالحکومت میں ایک دن مقامی چھٹی کا اعلان کرتی ہے۔ ہندوؤں کے بقول اس تہوار پر 15 لاکھ لوگ آتے ہیں لاؤڈ سپیکرز پر بلند آواز میں میوزک چلایا جاتا ہے۔ کہیں سے کوئی آواز آتی ہے تو کہیں سے کوئی۔ ہندو لوگوں کو دیکھ کر تو واقعی ایسا لگتا ہے۔ جیسے ان پر تقویٰ غالب آیا ہے۔ اپنے اس عبادت کدہ میں یہ لوگ بہت پر امن رہتے ہیں۔ میلے کا پورا سماں نظر آتا ہے۔ بلند و بالا جھولے، چھوٹے بڑے سٹالز اور ان پر گاہکوں کا رش اور اس کے ساتھ ساتھ مذہبی رسومات جاری ہوتی ہیں۔

ہندو لوگ یہاں طرح طرح کی رسومات ادا کر رہے ہوتے ہیں۔ کچھ سٹالز ایسے تھے۔ جہاں کافی سارے لوگ اُسترے لیے بیٹھے ہوئے تھے اور کئی کرسیاں پڑی تھیں۔ ہندو لوگ ٹینڈ کروا رہے تھے۔ اس کے بارے میں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اس موقع پر سر کے بال منڈوانے سے ان خداؤں کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ سر منڈوانے کے بعد یہ لوگ اپنے سر پر لیپ کر لیتے تھے اور بڑے اعتماد سے اس تہوار میں گھومتے پھرتے عام نظر آتے تھے۔

بتوں کے سامنے چبوتروں کے اندر مرد حضرات سجدے میں جا کر یا لیٹ کر ہاتھ جوڑے ہوئے نظر آئے جبکہ عورتیں زمیں پر بیٹھ کر ہاتھ جوڑتی تھیں۔ عقیدت مندی کا ہر منظر دیدنی تھا۔ موراگان (MURAGAN) بت جس کی مورتی سنہری رنگ کی تھی اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے مور بہت پسند تھے۔ یہ مور اس کی مدد کرتے ہیں۔ موروں سے نسبت کی وجہ سے کئی افراد موروں کے پروں سے بنے ہوئے بت اُٹھائے نظر آئے۔ دیکھنے میں تو یہی اندازہ ہوتا

تھا کہ یہ کافی وزنی ہیں اور انہیں اٹھانے والا کافی تکلیف میں ہے۔یہ اس بات کی علامت تھے کہ کس نے بتوں سے نظر مانی اور اسکی داد رسی ہوئی جس کے عوض مور کے پروں کے یہ بت ہدیہ کے طور پر یہاں لائے جاتے تھے۔انہیں اٹھا کر 270 سیڑھیاں چڑھنا اور اترنا بچوں کا کھیل نہ تھا ایک ایک بندے کے ساتھ کئی لوگ اسے سہارا دینے والے اور اسکے لئے سٹول اٹھائے پھرتے تھے کہ ذرا آرام کرلے گا۔

ان کے علاوہ کچھ مناظر دہشت ناک بھی تھے۔عورتیں اور مرد حضرات ایسے بھی تھے جنہوں نے بڑے بڑے سوئے اپنے دونوں گالوں اور منہ سے آر پار نکالے ہوئے تھے اور ناچتے نظر آتے تھے۔مرد حضرات میں سے کچھ نے بڑے بڑے ہک اپنے گوشت اور کھال میں ڈالے ہوئے تھے جن کے دوسری طرف پھل جیسے سیب، رسیاں، درختوں کے پتے وغیرہ لٹکے نظر آتے تھے۔ایسی تکلیف دہ حالت برداشت کرنا ہی انسانیت کے دائرہ سے باہر نظر آتا تھا مگر ستم یہ کہ یہ ناچ رہے ہوتے تھے۔اس طرح کی رسومات یہ لوگ اپنے خداؤں کی خوشنودی کیلئے کرتے ہیں مگر جو لوگ یہ سب کام نہیں کرتے وہ انہیں بدعتی یا گمراہ خیال کرتے ہیں۔مانترا کی رسوم ادا کی جا رہی تھیں جن کے مطابق ناریل کو بت کے سامنے رکھ کر ARCHANAI (آرچنائی) بندے کا نام لیتا۔اس کی گزارشات پیش کرتا اور یہ اٹھا کر پھر مالک کو دے دیتا۔لوہے کے بڑے بڑے برتنوں میں آگ کے الاؤ روشن کیے گئے تھے۔ان میں ہندو لوگ کچھ ڈال رہے تھے جسے سوڈم (SODAM) یا راڈم (RADDAM) کا نام دیتے تھے۔ایک مورتی کے آگے غار کے اندر ایک پتھر نما چبوترے پر رنگ برنگ کا پاؤڈر تھا جسے یہ اپنے ماتھے پر لگاتے تھے اور بت کے آگے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہوتے تھے۔اس پاؤڈر کو TRUNEER کہتے تھے۔اس کے ساتھ ہی ایک گلہ رکھا ہوا تھا جس میں پیسے ڈالے جاتے تھے اس کا نام UNDIAL بتایا گیا۔

اس تہوار پر کھانے پینے کیلئے کچھ فری سٹالز تھے کھانے والے سٹالز تو نظر نہیں آئے مگر پینے والے سٹالز دیکھے جہاں گلاسوں میں رنگ برنگ کے مشروبات تقسیم کیے جا رہے تھے ان کے پینے والے ہندو تھے اور کچھ یورپی سیاح جو سیر و تفریح کیلئے یہاں موجود تھے۔مشروبات کے بارے

میں کہا جاتا ہے کہ یہ گاؤ ماتا کے تبرکات ہیں۔ایسے مشروب کے قریب جانا تو در کنار تصور ہی عجیب ہے۔ ہندو حضرات کیلئے گائے کچھ بھی ہو مگر ہے تو گائے۔ یہ مشروب اور گائے (میرا خیال ہے) اشارہ ہی کافی ہے۔

ہندوؤں کے خدا کے بارے میں جو عقیدے ہیں ان کے مطابق سیوا (SIVA) اور پاروا تھی (PARVATHI) میاں بیوی تھے۔سیوا گائے کو مدد کیلئے استعمال کرتا تھا۔ان کے دو بیٹے تھے ایک تو موار گان (MURAGAN) جو سونے کا بت ہے اور یہاں نصب ہے یہ مور کی مدد سے خدائی کرتا تھا جبکہ دوسرا ونیا یا گا (VINAYAGA) جو مدد کیلئے چوہے استعمال کرتا تھا۔ دو خواتین خدا ہیں ایک ماریمان (MARIAMNNAN) ہے جو چیتے کی مدد سے خدائی کرتی ہے جبکہ دوسری کالیمان (KALIAMMAN) ہے جو شیر کی مدد سے خدائی کرتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سارے بت ہیں جو مختلف طریقوں سے خدائی کرتے ہیں۔ چبوتروں کی چھتوں پر پڑے ہوئے بتوں کے بارے میں بتایا گیا کہ یہ محافظ ہیں۔ جو بت جانوروں کی مورتیوں کے ساتھ تھے ان کے بارے میں بتایا گیا کہ یہ ان خداؤں کی حفاظت کر رہے ہیں۔ ہر بت کے بارے میں الگ الگ عقیدے ہیں۔

صرف عقائد ہی عجیب نہیں ہیں بلکہ اس کے ساتھ تصورات بھی خاصے مختلف ہیں۔جس بت کیلئے یہ تہوار منایا جا رہا تھا اس کی ایک دو اور مورتیاں بھی تھیں۔ مورا گان (MURAGAN) کی ان مورتیوں کے بارے میں بتایا گیا کہ یہ شادی سے پہلے کی ہیں۔جبکہ سونے کا یہ بت شادی کے بعد کا ہے جو بھی اس بت کی عبادت کرے گا (شادی سے پہلے والے بت کی) تو اس میں بہت زیادہ غصہ ہوگا۔ مزاج کافی سخت ہوگا۔جبکہ شادی کے بعد والے بت کی عبادت سے طبیعت میں اعتدال رہے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی انفرادیت

1۔ دوسرے سلسلوں کی روحانی معراج اور آخری منزل کشف و کرامات کا حصول ہے لیکن ہمارے سلسلہ میں اُنکی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ ہمارے سلسلہ کا آخری مقصد اللہ کا قرب، عرفان اور لقاء کا حصول ہے۔

2۔ بزرگان عظام اور اولیائے کرام کی کرامات برحق اور انکی دعاؤں کی مقبولیت مسلم لیکن ہم مشکل کشاء اور حاجت روا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو مانتے ہیں۔

3۔ موجودہ دور کی مصروف زندگی کو مدنظر رکھتے ہوئے مختصر اور سہل اوراد و اذکار تلقین کیئے جاتے ہیں۔

4۔ ہمارے سلسلہ میں مجاہدہ کیلئے غصہ اور نفرت کو مکمل طور پر نفی کرنے اور عالمگیر محبت اور صداقت کو اختیار کرنے کی مشق کروائی جاتی ہے۔ یہ تربیت گھر کی چار دیواری کے اندر احسن طریقے سے ہوسکتی ہے۔

5۔ بانی سلسلہ توحیدیہ کے وصیت نامہ کے مطابق سلسلہ توحیدیہ کے روحانی پیشوا کا منصب ہمیشہ ہمیشہ کیلئے غیر وارثتی ہوگا۔

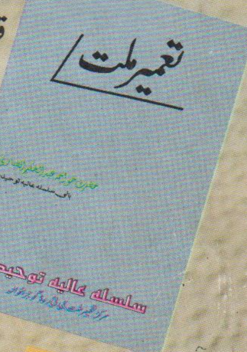
6۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیم مذہبی گروہ بندیوں اور فرقہ واریت سے بالاتر اور وسعت قلب و نظر کی مظہر ہے۔

7۔ ہمارے سلسلہ میں مریدوں کی تعداد بڑھانے کیلئے اندھا دھند بیعت نہیں کیا جاتا ہر شخص کو بیعت کرنے سے پہلے کم از کم چھ ماہ طالب رکھا جاتا ہے تاکہ وہ جماعت کے مقاصد سے اچھی طرح آگاہ ہو کر داخل سلسلہ ہو۔

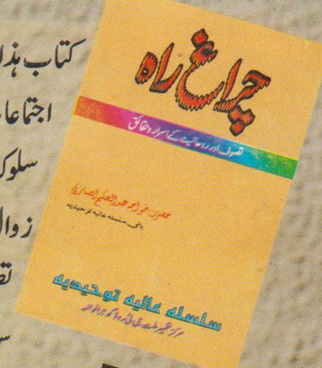
8۔ سلسلہ توحیدیہ میں متوازن زندگی بسر کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ جس میں نہ تو دنیا کو ترک کرنے کی اجازت ہے اور نہ ہی اِس میں غرق ہو جانے کی۔

Monthly FALAH-E-ADMIYYAT

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف



قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔

سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔

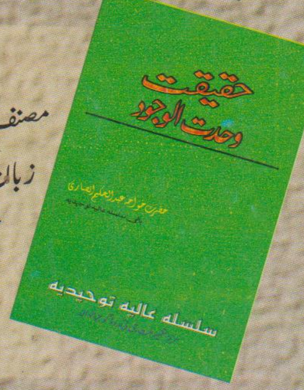
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔

تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد و اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔



وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔

مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقا اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

Website: www.toheedia.net